

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا کا ترجمان

فقیہ
سرگودھا
ماہنامہ

مولانا محمد الیاس گھمن
مدیر

جلد نمبر 5 جنوری 2016ء شمارہ نمبر 1

تحریک آزادی اور تصور آزادی

اسلامی زندگی کے بنیادی اصول

نکاح، طلاق اور عدت

دھرم میں
آدم محمد سے اجالا کرے

حلال فوڈز پر توجہ دیجیے!!



منتخب نمائندگان کی معاشرتی ذمہ داریاں

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ

www.ahnafmedia.com



مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا کاترجمان



شمارہ نمبر 1

جنوری 2016

جلد نمبر 5



خط و کتابت کا پتہ



بیرون ممالک

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر سالانہ

سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر سالانہ

ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر سالانہ



mag@ahnafmedia.com

آن لائن پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے

www.ahnafmedia.com

قیمت فی شمارہ 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

سالانہ 300 روپے
زرتعاون

سرکولیشن منیجر

0332-6311808

صبح 8 تا 4 بجے شام



WhatsApp

+923062251253

شمارہ
مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا

فہرست

- منتخب نمائندگان کی معاشرتی ذمہ داریاں (اداریہ)..... 3
- غیر اسلامی ملک اور شاتم رسول (خورشید عالم قاسمی) 8
- تحریک آزادی اور تصور آزادی (مولانا محمد الیاس گھمن) ... 15
- انسانی حقوق کا عالمی منشور (اختر سردار) 19
- دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا (محمد مبشر بدر)..... 22
- دو باتیں... اشتیاق احمد کے لیے (مولانا محمد الیاس گھمن) ... 27
- حلال فوڈز پر توجہ دیجیے!! (مولانا عبد المنعم فائز)..... 34
- اسلام میں تجارت کی اہمیت (خالد سیف اللہ رحمانی) 36
- اسلامی زندگی کے راہنما اصول (مفتی محمد تقی عثمانی) 41
- سلام کا اسلامی طریقہ و آداب (کفیل احمد ندوی) 47
- نکاح، طلاق اور عدت (نجیب احمد قاسمی)..... 50

منتخب نمائندگان کی معاشرتی ذمہ داریاں

اداریہ

وطن عزیز میں بلدیاتی انتخابات کا تیسرا اور آخری مرحلہ بھی بخیر و خوبی مکمل ہوا، مجموعی طور پر اہلیان پاکستان نے اپنے بنیادی حق (ووٹ) کا استعمال پہلے عام انتخابات کی بنسبت زیادہ اور منظم کیا اور اپنے کردار و عمل سے باشعور قوم ہونے کا ثبوت دیا۔ بلدیاتی انتخابات میں کامیاب ہونے والوں کے لیے جیتنے کے بعد ابھی ایک اور مرحلہ باقی ہے اور وہ ہے وطن کی تعمیر و ترقی، خوشحالی اور خدمت خلق کا۔

آئیے اس بارے میں سیرت طیبہ سے رہنمائی لیتے ہیں۔ اسلام میں وطن کی تعمیر و ترقی، استحکام اور سالمیت خوشحالی اور خدمت خلق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ادیان عالم میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے کہ جس میں خالق اور مخلوق کے تمام حقوق ادا کرنے کی سختی سے تاکید کی گئی ہے۔ گھر میں رہتے ہوئے والدین، اولاد، بہن بھائی، میاں بیوی۔ گھر سے باہر بڑے چھوٹے، امیر و غریب، رشتہ دار، پڑوسی، محلہ دار، اہل علاقہ اور رعایا و حکمران وغیرہ کے حقوق صحیح معنوں میں ادا کرنے سے صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اس لیے اسلام میں خدمت خلق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسلام انسانیت کا دین ہے، اس میں رفائی خدمات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن و سنت میں متعدد احکام اس بارے میں وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔

مقصود تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی اس کا عملی نمونہ ہے۔ صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔ سیرت کی کتب میں ایک واقعہ عام طور پر ملتا ہے۔ اسلام سے کنارہ کش مکہ میں ایک بڑھیا تھی ایک بار وہ اپنا سامان اٹھا کر کہیں جا رہی



تھی، رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بڑھیا کا سامان خود اٹھایا اور اس کو منزل تک پہنچا دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خلق سے متاثر ہو کر اس بڑھیانے اسلام قبول کر لیا۔

خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی خالق کی عبادت، رسول کی اطاعت اور انسانیت کی خدمت میں گزری۔ مدینہ طیبہ میں کتنے ایسے گھرانے تھے جن کی کفالت خود خلیفہ وقت کیا کرتے تھے۔ بیواؤں کے گھروں میں پانی بھرنے تک کی خدمات بنفس نفیس خود انجام دیتے۔

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت ”انسانیت کی ہمدردی“ کا زمانہ کہلاتا ہے۔ رات کو لوگوں کی مشکلات کو جاننے کے لیے خود گشت فرماتے۔ لوگوں کی شکایات دور فرماتے۔ بیت المال سے خود اپنے کندھے پر سامان لاد کر خدمت خلق کا فریضہ انجام دیتے۔

خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کڑے حالات میں انسانیت کو راحت بخشی، بڑے رومہ سے لے کر مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع تک، لشکر اسلام کی مالی معاونت سے لے کر سلطنت اسلامیہ میں نفاذ امن تک کی داستان انہی کے وجود سے وابستہ ہے۔

خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تو آنکھ ہی خانوادہ نبوت میں کھولی۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تربیت پائی تھی اسی کے مطابق اپنی ساری زندگی بسر کی۔ خدمت خلق کے ان گنت واقعات ایسے ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے نصیب میں نہیں آئے۔ خلفاء راشدین کے بعد صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کی زندگیاں خدمت خلق کا ایسا عمدہ نمونہ تھیں کہ آج تک دنیا ان کی مثال



لانے سے عاجز ہے۔ اسلام اپنے اندر بے پناہ جامعیت رکھتا ہے۔ اس میں عقائد و نظریات کی درستگی و پختگی، عبادات کی تعیین اور طریقہ کار، اعمال و احوال کی اصلاح، معاشرتی طرز زندگی، باہمی معاملات اور اخلاقیات سب کچھ بدرجہ اتم موجود ہے۔ اسلام میں معاشرتی طرز زندگی کے بنیادی طور پر دو اہم اجزاء ہیں۔ امن اور استحکام

امن کے مفہوم میں کافی وسعت ہے۔ کسی کو کسی سے جانی، مالی اور عزت و آبرو کا خطرہ باقی نہ رہے۔ تاکہ معاشرے کا ہر فرد بشر سکون کی زندگی گزار سکے۔ اسلام میں معاشرتی زندگی کا لائحہ عمل انتہائی سادہ، پرسکون اور پر امن ہے۔ چودہ سو سال قبل جزیرہ نمائے عرب میں پر امن اور مستحکم ریاست کی ایک جھلک دیکھتے ہیں:

مسجد نبوی ہے اس کو مرکزی سیکڑیٹ کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی طرز تعمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ڈیزائن کرائی کہ مدینہ کی تمام گلیاں براہ راست یہاں تک پہنچتی ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دارالحکومتوں کی بنیادیں اسی اصول کے مطابق رکھی جا رہی ہیں کہ سربراہ اعلیٰ کی رہائش چاروں طرف سے میل کھاتی سڑک کے روبرو وسط میں ہو۔

مسجد نبوی کے صحن میں طب کا ہسپتال بنایا گیا جہاں مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا تھا جسے آج کی زبان میں فری ڈسپنسری کا نام دیا جاتا ہے۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام نے اسی کو بنیاد بنا کر شہری آبادی میں فری ڈسپنسریز کا جال بچھایا ہوا ہے بلکہ یورپ میں تو عام شاہراہوں پر بھی وقفے وقفے سے ہسپتال قائم ہو رہے ہیں تاکہ دوران سفر اگر کوئی مسافر بیمار پڑ جائے تو اسے جلد طبی امداد دی جاسکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ کی گلیاں اتنی وسیع رکھو کہ سامان سے لدے ہوئے دواونٹ آرام سے گزر سکیں۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام نے اسی



کو بنیاد بنا کر شہری آبادی میں اتنی وسیع سڑکیں بنائیں ہیں کہ جہاں سے بیک وقت دو گاڑیاں آسانی سے گزر سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شہر سے قریب محی التقيع نامی سرسبز سیر گاہ بنوائی ارد گرد پھولدار خوبصورت پودے لگوائے۔ آپ بذات خود اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین گاہے بگاہے اس کی سیر کو نکل جاتے۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام کی یہ چیز پہچان ہے کہ وہاں خوبصورت روح افزاء پارکس اور تفریح گاہیں موجود ہوتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں یہ ملتا ہے کہ درخت لگانا صدقہ جاریہ ہے آپ نے عرب کے ماحول کے مطابق کچھ ووروں کے باغات پہ باغات لگوائے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی علاقہ فتح ہو تو بھی درختوں کو آگ نہ لگاؤ آج کی ترقی یافتہ دنیا نے جب یہ دیکھا کہ عالمی درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔ گلشیر زپگھل رہے ہیں۔ گرمی بڑھ رہی ہے اوزون کی تہہ پھٹتی ہی چلی جا رہی ہے اور درختوں سے حاصل شدہ مفید آکسیجن کی مقدار میں کمی آرہی ہے تو حکومتی سطح پر محکمہ جنگلات قائم کر دیے تاکہ قدرتی حسن کے نظاروں میں بھی اضافہ ہو اور ماحولیاتی آلودگی بھی کم سے کم ہو سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مدینہ شریف کے عین وسط میں مرکزی مارکیٹ قائم کی جائے۔ تجارت میں تین باتوں کو ملحوظ رکھا جائے: سامان میں ملاوٹ نہ کی جائے۔ ذخیرہ اندوزی نہ کی جائے اور سودی کاروبار بھی نہ کیا جائے مزید یہ کہ مارکیٹ پر ٹیکس نہ لگایا جائے۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام مالیاتی بحرانوں سے جان چھڑانے کیلئے انہی اصولوں پر لوٹ رہی ہے۔

مدینہ منورہ میں ایک شخص نے میں آگ کی بھٹی لگائی جس کی وجہ سے آس پاس کے لوگوں کو تکلیف پہنچی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو پیغام

بھیجا کہ کیا تم ہمارے بازار بند کروانا چاہتے ہو؟؟ ایسا کاروبار شہر سے باہر جا کر کرو۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام اسی اصول کو بنیاد بنا کر شہری حدود سے باہر فیکٹریاں اور انڈسٹریل زون قائم کر رہی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک شہر کی آبادی حد سے بڑھنے لگے تو شہر روک دو دنیا شہر بساؤ۔ یہی بات جب مفکر پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے اٹلی کے سابق ڈکٹیٹر موسولینی سے کی۔ تو موسولینی؛ علامہ مرحوم کا حیرت سے منہ تکتا رہ گیا اور بے ساختہ ہو کر کہنے لگا: What an excellent idea کیا یہی بہترین نظریہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے تمام قبائل کو اکٹھا کر کے 53 نکات پہ مشتمل چارٹر آف مدینہ مرتب کرایا جسے میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ پہلا باضابطہ منظم دستور و آئین تھا جس نے مجموعی طور پر دو کارنامے سرانجام دیے۔

ایک بھر پور معاشی ترقی کرتے ہوئے تجارت کی راہ ہموار کی دوسرا یہ کہ اس سے باہمی خانہ جنگی اپنی موت آپ مر گئی اور دیگر اقوام پر ریاست مدینہ کی مضبوط داخلی و خارجی پالیسی کی دھاک بیٹھ گئی۔ جس کی بدولت ریاست اندرونی و بیرونی طاقتوں سے محفوظ ہو گئی۔ آج کی دنیا اپنی ایسی ہی داخلی و خارجی پالیسی بنانے کی خواہش مند ہے اور اسی کو پرامن اور مستحکم ریاست کا پیش خیمہ قرار دیتی ہے۔

یہ اسلام کی معاشرتی طرز زندگی کا بنیادی ڈھانچہ ہے۔ ہم سب کو اس طرز پر زندگی گزارنی چاہیے بالخصوص بلدیاتی انتخابات میں کامیابیاں حاصل کرنے والوں سے گزارش ہے کہ خدمت خلق کو دین سمجھ کر کریں۔ اپنے شہر کو امن اور استحکام کا گہوارہ بنائیں۔ قوم سے کیے گئے وعدوں کو پورا کریں۔ لوگوں کے مسائل کے حل کیلئے اپنی خداداد صلاحیتوں اور اپنے اختیارات کو بروئے کار لائیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

غیر اسلامی جمہوری ملک اور شاتم رسول

خورشید عالم داؤد قاسمی

اظہار رائے کی آزادی / Freedom of Expression / Speech

اڑ میں آج لوگ بے لگام ہوتے جا رہے ہیں۔ خاص طور پر کچھ ذہنی طور پر بیمار عناصر نے "اظہار رائے کی آزادی" کا اتنا غلط مفہوم سمجھا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ وہ کچھ بھی، کسی وقت، کوئی جگہ، کسی طرح اور کسی کے بھی خلاف بول سکتے ہیں۔ اگر اظہار رائے کی آزادی کا یہی مطلب ہے؛ تو پھر ایک شخص خود کو آزاد سمجھے گا اور دوسرے کو گالی گلوچ سے نوازے گا، اس کی توہین و تذلیل کرے گا، دوسرے کے خلاف جھوٹ بولے گا اور جھوٹے الزامات لگائے گا۔ یہ کہانی صرف شخص واحد پر ختم نہیں ہوگی؛ بل کہ اس کی زد میں ایک معاشرہ اور سماج آسکتا ہے، ایک اسٹیٹ آسکتا ہے، پورا ملک آسکتا ہے، ایک حکومت اور حکومت کا سربراہ آسکتا ہے، دنیا کی محترم شخصیات، مذہبی اسکالرس اور مذہبی پیشوا آسکتے ہیں۔ اگر اظہار رائے کی آزادی کا مطلب یہی ہوگا؛ تو پورے ملک، قبیلے اور معاشرے سے امن و امان کا خاتمہ ہو جائے اور دنیا جہنم میں تبدیل ہو جائے گی۔ اظہار رائے کی آزادی کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے۔ ہاں، یہ ان ذہنی طور پر بیمار لوگوں کے لیے ہو سکتا ہے، جن کے یہاں آزادی اظہار رائے غیر محدود، غیر مقید اور لامتناہی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اظہار رائے کی آزادی محدود اور مقید ہے۔ کچھ ذہنی طور پر بیمار عناصر کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ "اظہار رائے کی آزادی" کی ایک حد ہے۔ اظہار رائے کی آزادی کا مطلب یہ ہے: "زبان و قلم سے اپنی رائے اور نظریہ کو



پیش کرنے کا ایک سیاسی حق، ہر اس شخص کے لیے جو اسے استعمال کرنا چاہتا ہے؛ تاکہ آسانی سے وہ اپنی بات پہنچا سکے۔ "یہ ہے اظہار رائے کی آزادی کی حد۔

آج مصیبت یہ ہے کہ لوگ اظہار رائے کی آزادی کا استعمال اپنے خیالات و آراء کے اظہار کے لیے تو بہت کم کرتے ہیں، مگر دوسرے کی تذلیل و توہین، فتنہ و فساد کو ہوا دینے اور مامون و محفوظ معاشرے سے امن و امان کو ختم کرنے کی سازش اور اپنی ذہنی بیماری کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا سہارا زیادہ لیتے ہیں۔ مسلمانوں کے نبی و رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر بے جا الزامات عائد کرتے ہیں۔

جس شخص نے پوری زندگی امن کا پیغام عام کیا، ان کو دہشت گردی کا معلم شمار کیا جاتا ہے۔ جو شخص اعلیٰ اخلاق و کردار، ارفع شمائل و خصائل اور عفت و پاکدامنی کا مجسمہ ہو، ان کے تعدد ازدواج پر طعن و تشنیع کیا جاتا ہے۔ جب اشاعت اسلام کی بات آتی ہے، تو دشمنوں کو صرف تلوار کی جھنکار ہی سنائی دیتی ہے، مگر ان کا آسمان چھو تا ہوا اخلاق نہیں دکھتا۔ غیر مسلم مورخ نے جسے تاریخ کی عظیم ترین شخصیت قرار دیا ہو، لوگ ان کا کارٹون بنا کر ان کی توہین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس سب سے بھی بڑھ ایسی ایسی تہمتیں لگاتے ہیں کہ ایک مسلمان صحافی و ادیب اور مقرر و خطیب کا قلم و زبان انھیں نقل نہیں کر سکتا۔ اس طرح کی گستاخی کرنے والوں کے خلاف جب ایک مسلمان زبان کھولتا ہے؛ تو اسے رجعت پسند، دیش دشمن، دہشت گرد اور آزادی اظہار رائے سے ناواقف جیسے بھدے سے الفاظ سے گالی دی جاتی ہے۔ ایسے گستاخانہ اعمال کے ارتکاب کے باوجود، ان اسلام دشمن عناصر کے لیے "اظہار رائے کی آزادی" ایک ڈھال بن جاتی ہے، جس سے وہ خود کو تو محفوظ کر لیتے ہیں، مگر پورا معاشرہ اس کی لگائی آگ میں جھلستا رہتا ہے۔



ابھی چند دنوں قبل، یکم دسمبر 2015 کو "ہندو مہاسبھا" کا لیڈر، گندہ دہن کملیش تیواری نے رحمۃ اللعالمین، مینارہٴ رشد و ہدایت، نبی اکرم، شفیع اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب و شتم سے توہین کی۔ اس نے ایسی گندی زبان استعمال کیا اور بہتان تراشی کی کہ کسی بھی دھرم کے لوگ اس جیسی گندی زبان کسی معمولی شخص کے خلاف بولنا پسند نہیں کریں گے؛ جب کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت ہی اونچی، اعلیٰ اور ارفع شخصیت کے مالک ہیں۔ اس واقعہ کے بعد، ملک کے طول و عرض میں لوگوں نے احتجاج شروع کیا؛ تاکہ حکومت اس بد بخت کے خلاف اکشن لے۔ مگر ملک کے کچھ حصے سے رپورٹ آرہی ہے کہ پولیس مظاہرین کو گرفتار کر رہی ہے اور یہ الزام لگا رہی ہے کہ وہ مظاہرین داعش کا نعرہ لگا رہے تھے۔ یہ بات تو عقل کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہو رہی ہے کہ لوگ ناموس رسالت کی خاطر مظاہرہ کریں اور اس میں داعش کا نعرہ لگائیں! یہ حقیقت پوری دنیا کے لوگ جانتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمان امن پسند ہیں اور فساد بگاڑ سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

کچھ پڑھ لکھے مسلمانوں کو بھی اعتراض ہو رہا ہے کہ اس احتجاج کا کیا فائدہ ہے! بہتر یہ ہے ہم اپنے دشمن کے پاس اسلام کے داعی بن پہنچیں اور احتجاج سے اجتناب کریں! یہی بہتر طریقہ ہے۔ مگر ان لوگوں کی بات سے کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک دعوت کی بات ہے؛ تو دعوت کا کام کوئی نیا کام نہیں ہے اور کسی مخصوص وقت اور مخصوص شخص کے لیے بھی نہیں ہے۔ دعوت کا کام شب و روز کا کام ہے اور دعوت کے لیے ہر اس شخص کے پاس جانا ہے، جو اب تک ایمان کی روشنی سے نابلد اور دولت ایمان سے ناواقف ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دین کی دعوت اور نبی کا تعارف کرانا بہت اہم کام ہے اور یہ کام تحریکی طور پر کیا جانا چاہیے۔ جہاں تک



احتجاج سے اجتناب کرنے بات ہے؛ تو ہم صرف ان کو اتنا کہنا چاہیں گے کہ آئین اور دستور کا مطالعہ کرنے والے بخوبی واقف ہیں کہ ایک غیر اسلامی جمہوری ملک ہندوستان میں رہنے والوں کے لیے ایسے مواقع سے احتجاج ان کا دستوری حق ہے اور آج کے دور میں دنیا کی بہت سی حکومتیں احتجاج کی زبان بہت جلد سمجھتی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت اور ان کا ادب و احترام ہم مسلمانوں کے ایمان کا جزء ہے۔ اگر اس میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع ہوتی ہے؛ تو ہمیں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام میں شاتم رسول کا حکم اور اس کی سزا۔

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن (مکہ مکرمہ میں) تشریف فرماتے تھے اور آپ کے سر پر خود (Helmet) تھی۔ جب آپ نے خود (Helmet) ہٹایا؛ تو ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ ابنِ خطل (جو آپ کی توہین کرتا تھا اور برا بھلا کہتا تھا) غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے قتل کر دو!" (بخاری شریف، حدیث نمبر: 1846-3044)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ ایسے شخص سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شاتم ہو؟ اس پر انہوں نے فرمایا:

"ایسے شخص کو قتل کر دینا واجب اور ضروری ہے اور ایسے شخص سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور توبہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔"

(الصائم الملول علی شاتم الرسول: 4)



ایک نابینا صحابی (رضی اللہ عنہ) تھے۔ ان کی ایک باندی تھی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتی تھی۔ انہوں نے روکنے کی کوشش کی، مگر وہ نہیں رکی۔ انہوں نے زجر و توبیخ کیا، مگر اس کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا۔ ایک رات وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے رہی تھی، لہذا اس نابینے صحابی نے کدال سے پیٹ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ صبح میں مقدمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ وہ صحابی حاضر ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے اور پورا واقعہ بیان کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَلَا اشْهَدُوا أَنِّي دَمَمْتُهَا هَكَذَا"۔ "لوگوں گواہ رہو! اس کا خون لا حاصل اور بے بدلہ ہے (قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا)۔"

(ابوداؤد، حدیث نمبر: 4361)

خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے۔ ہارون الرشید نے لکھا تھا کہ عراق کے علماء نے شاتم رسول کو کوڑے لگانے کی سزا تجویز کی ہے۔ آپ کا اس مسئلہ میں کیا فتویٰ ہے؟ امام مالک علیہ الرحمہ نے غضب ناک ہو کر فرمایا "وہ اُمت زندہ کیسے رہے گی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سب و شتم (توہین رسالت) پر خاموش رہے؟! جو کسی بھی نبی کو گالی دے اُسے قتل کیا جائے گا اور جو صحابہ کو گالی دے اسے کوڑے لگائے جائیں۔" (کتاب الشفاء 2/223)

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا آپ کی شان میں گستاخی کرے وہ مسلمان ہو یا کافر اُسے قتل کیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ (الصارم السلول علی شاتم الرسول، 300)



شیخ امام زین الدین ابن نحیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ہر وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی بغض رکھے وہ مرتد ہو گا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا بدرجہ اولیٰ مرتد ہو گا؛ لہذا ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی جس کی وجہ سے قتل کو ساقط کیا جاسکے یہی اہل کوفہ (احناف) اور امام مالک کا مسلک ہے۔ (بحر الرائق 5/ 125-126)

امام خیر الدین رملی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نازیبا کلمات کہتا ہے وہ مرتد ہے اور اس کا حکم مرتدین کا حکم ہے (یعنی قتل کیا جانا)۔ اس کی توبہ اصلاً قبول نہ ہوگی نیز اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے جو ایسے شخص کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (فتاویٰ خیر، 103)

امام ابو بکر احمد بن علی الرازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: لیث نے ایسے مسلمان کے بارے میں فرمایا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے بیشک اس (نام و نہاد مسلمان) سے نہ مناظرہ کیا جائے نہ اسے مہلت دی جائے اور نہ ہی اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اور اسے اسی مقام پر ہی قتل کیا جائے (یعنی فوراً قتل کر دیا جائے) اور یہی حکم توہین رسالت کرنے والے یہودی و نصرانی کا ہے۔ (احکام القرآن)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو ملعون سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالیہ کی شان میں بکواس کرے یا اہانت کا مرتکب ہو یا دینی امور میں سے کسی امر کا یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک میں سے کسی عضو کا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں کسی وصف کا عیب نکالے ایسا کرنے والا خواہ مسلمان تھا یا ذمی کا فر یا حربی اگرچہ یہ سب کچھ اس نے مذاق میں کیا وہ واجب القتل ہے اور اس کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی اس پر تمام اُمت کا اتفاق ہے۔ (ملا بد منه، 126)

محمد بن سحنون فرماتے ہیں: "علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے اور توہین کرنے والا کافر ہے اور اس کے لیے اللہ کے عذاب کی وعید جاری ہے۔ امت (مسلمہ) کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے۔ جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرتا ہے، وہ کافر ہے۔" (الصارم المسلول علی شاتم الرسول: 4)

اگر کوئی شخص پیغمبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے، ان کو سب و شتم کرے؛ تو اس کی سزا کے حوالے سے مندرجہ بالا حکم نقل کیا گیا ہے۔ اس بات سے سب واقف ہیں کہ ہندوستان جیسے غیر اسلامی جمہوری ملک میں، اس مذکورہ بالا اسلامی سزا کو نافذ نہیں کیا جاسکتا؛ بل کہ ایک اسلامی ملک میں بھی اس سزا کو فرد واحد، جماعت یا تنظیم نافذ نہیں کر سکتی۔ اس سزا کا نفاذ حکومت وقت کرے گی۔ ہم جہاں کے باشندہ ہیں وہ ایک غیر اسلامی جمہوری ملک ہے۔ ہم اس ملک میں کیا کر سکتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ہم بحیثیت ہندوستانی شہری، ہندوستانی آئین میں دیے گئے حق کا استعمال کریں۔ ایسے شخص کے خلاف اپنی نفرت کا کھلے عام اظہار کریں۔ ایسے شخص کے خلاف انفرادی اور اجتماعی طور پر ملک کے پولیس اسٹیشنوں پر "ایف آئی آر" درج کرائیں۔ آئین نے جو سزا مقرر کی ہے، اس کو دلوانے کی پوری جدوجہد کریں۔

آج کے دور میں دنیا کی حکومتیں احتجاج کی زبان بہت جلد سمجھتی ہیں۔ اگر حکومت ایکشن نہیں لے رہی ہے؛ تو ہم پر امن احتجاج کر کے اور ریلیاں نکال کر حکومت پر دباؤ بنائیں؛ تاکہ حکومت اکشن لینے پر مجبور ہو اور قومی امن کو خطرہ میں ڈالنے والے ایسے شخص کو عبرتناک سزا دے اور آئندہ کے لیے ایسے لوگوں کی زبان پر تالا لگ جائے۔

تحریکِ آزادی اور تصورِ آزادی

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

پاکستان؛ تحریکِ آزادی کی بدولت نعمتِ آزادی سے مالا مال ہوا۔ پاکستانی قوم کے لیے آزادی کا تصور مغرب کے تصورِ آزادی سے یکسر جدا گانہ ہے۔ اہل مغرب کے آزادی کے تصورات میں تنوع بھی پایا جاتا ہے اور باہم اختلاف بھی۔ لبرلائزیشن میں ہر فرد کو دینی، روایتی، سماجی، قبائلی، نسلی، گروہی، علاقائی، خاندانی، لسانی، قومی اور اخلاقی الغرض ہر قسمی ”آزاد روی“ کا پورا پورا حق ہے، وہ ہر نوعیت کی آزادی کو ہر سطح پر ممکن بنا کر اس میں وسعت کی قائل ہے۔ یعنی انسان اپنے خالقِ حقیقی کی عبدیت، برحقِ نمائندہ خدا (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت سے بھی آزاد ہو سکتا ہے۔ اور وہ معاشرے میں ”جو کچھ“ بھی کرتا پھرے اس بارے میں مکمل ”آزاد“ ہے۔ اس کو خالق کی عبدیت، رسول کی اطاعت اور منشورِ انسانیت و دستورِ حیات (قرآن کریم) کا اسیر نہیں کیا جاسکتا۔

بظاہر اس تصور کی دلربائی کا حسن انسان کو اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔ بطور خلاصہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس تصور میں آزادی کا مفہوم فقط اتنا ہی ہے کہ ہر انسان محض اپنے عقل کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ ادیان میں سے دین اسلام کو اپنے لیے غلامی سے تعبیر کرتا ہے۔ جبکہ یہ سوچ ہمارے اسلامی اقدار کے بھی منافی ہے اور ہماری ریاستی روایات اور آئینی قوانین کے بھی بالکل برعکس ہے۔ اسلام غلامی کی زنجیروں میں قید نہیں کرتا بلکہ غلامی سے نجات دلا کر انسان کی مکمل زندگی کو ایسا کارآمد بناتا ہے جس کا فائدہ مرنے کے بعد بھی ہمیشہ کی زندگی میں ملتا رہتا ہے۔



بد قسمتی سے آج اسی فکر کو پروان چڑھایا جا رہا ہے حتیٰ کہ ہمارے اس آئینی، نظریاتی، فلاہی، جمہوری اور اسلامی مملکت کے حکمران طبقے میں بھی یہ منفی سوچ سرایت کر رہی ہے۔ جو ہم سب کے لیے مشترکہ لمحہ فکر یہ ہے۔

یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم تصور آزادی کے مفہوم کو بھولتے یا از خود نظر انداز کرتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ جس ملک میں ہم آزادی سے سانس لے رہے ہیں اس کے حصول کا مقصد ”غلبہ دین“ تھا، نہ کہ اہل اسلام کو دین سے ”آزاد“ کرنا۔

اس موقع پر خود قائد اعظم کی تصریحات ”تحریک آزادی پاکستان“ میں اس ”تصور آزادی“ کو مزید واضح کرتی ہیں۔ چند تاریخی حقائق پیش خدمت ہیں:

17 فروری 1938ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اسٹریچی ہال میں بباگز دہل یہ اعلان فرمایا: ”مجھے اپنے اسلامی کلچر اور تہذیب سے بہت محبت ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہماری آنے والی نسلیں اسلامی تمدن اور فلسفہ سے بالکل بیگانہ ہو جائیں۔“

14 دسمبر 1942ء کو کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”پاکستان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ پاکستان میں اللہ کے دین کا نظام قائم ہو گا۔“

19 مارچ 1944ء پنجاب اسٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور کی سالانہ کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”ہمیں ہلالی پرچم کے علاوہ کوئی اور پرچم درکار نہیں۔ اسلام ہمارا رہنما ہے جو ہماری زندگی کا مکمل ضابطہ حیات ہے۔“

21 نومبر 1945ء سرحد مسلم لیگ کانفرنس پشاور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ اپنے ضابطہ حیات، اپنے تمدنی

ارتقاء، روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کر سکیں۔“

24 نومبر 1945ء مردان کے جلسہ عام سے خطاب کے دوران فرمایا:
”پاکستان کی آزاد مسلم مملکت کے حصول میں بھی اپنا کردار ادا کریں جہاں مسلمان
اسلامی فرمانروائی کا نظریہ پیش کر سکیں گے۔“

26 نومبر 1946ء کو سید بدر الدین احمد کو اپنی قیام گاہ پر ایک تفصیلی انٹرویو
دیتے ہوئے بر ملا کہا: ”دنیا کی تمام مشکلات کا حل اسلامی حکومت کے قیام میں ہے۔ اسی
قیام کی خاطر میں لندن کی پرسکون زندگی کو رد کر کے عظیم مفکر علامہ اقبال کے اصرار
پر واپس آ گیا۔ ان شاء اللہ پاکستان کے نظام حکومت کی بنیاد لا الہ الا اللہ ہی ہوگی اور
اس پر ایسی فلاحی اور مثالی سیٹ قائم ہوگی کہ دنیا اس کی تقلید پر مجبور ہو جائے گی۔“
7 جولائی 1947ء کو لندن مسلم لیگ کے نام پیغام میں فرماتے ہیں: ”خدا کے
فضل سے ہم دنیا میں اس نئی عظیم خود مختار اسلامی ریاست کی تعمیر مکمل اتحاد، تنظیم اور
ایمان کے ساتھ کر سکیں گے۔“

19 دسمبر 1946ء کو مصری ریڈیو پر خطاب کے دوران فرمایا: ”ہم چاہتے
ہیں کہ ایک آزاد خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کریں اور ان تمام اقدار کا
تحفظ کریں جن کا اسلام علمبردار ہے۔“

14 دسمبر 1947ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کو نسل سے دوران خطاب فرمایا:
”میں صاف طور پر واضح کر دوں کہ پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک مملکت ہوگی“
14 فروری 1948ء میں سبی دربار بلوچستان میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
”میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو قانون عطا کرنے والے
پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے بنایا۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی جمہوریت

کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔“

21 فروری 1948ء کو افواج پاکستان سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”اب

آپ کو اپنے ہی وطن عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی عدل اور مساوات انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔“

اس معاملے کو اگر شرعی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو بھی یہی نظر آتا ہے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں مختلف قبائل، اقوام اور مذاہب کے پیروکار موجود تھے۔ آپ نے یہاں آکر ریاستی امور کی پہلی باضابطہ ”آئینی دستاویز“ مرتب کرائی۔ جسے ”میثاقِ مدینہ“ کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ 53 دفعات پر مشتمل ایسا جامع دستور حیات ہے جس میں ریاست کی معیشت کو مستحکم کرنا، باہمی خانہ جنگی کا خاتمہ اور خارجہ پالیسی کو مضبوط تر بنانے کے لیے عسکری خود مختاری کو بنیادی قرار دیا گیا۔ تاکہ دشمن اس کی سالمیت کو گزند پہنچانے سے باز رہے۔ اسی ”میثاقِ مدینہ“ میں اللہ احکم الحاکمین کی حاکمیت اعلیٰ اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت اعلیٰ کو اساسی اہمیت و حیثیت حاصل ہے۔ اس جامع ترین حکمت عملی... جو درحقیقت وحی الہی کی عملی صورت ہے... سے ہی امن کا نفاذ ممکن ہوا۔ اقوام عالم نے اس کی بدولت وہ سنہرا دور دیکھا ہے کہ امن و انصاف عوام کی دہلیز تک پہنچا، عوام کو انصاف کی دہلیز کے چکر نہیں کاٹنے پڑے۔

ہم اس ملک کے رہائشی ہیں جس کو آزادی دلانے کیلئے ہمارے اکابر نے منظم ”تحریک آزادی پاکستان“ چلائی۔ ہمیں آزادی حاصل بھی ہوئی لیکن بد قسمتی کہ ہم آج تحریک آزادی کی ”روح آزادی“ کو فراموش کر رہے ہیں۔ یاد رکھیں! ”تحریک آزادی پاکستان“ کا مقصد غلبہ دین اور نفاذ اسلام ہی تھا ”لبرل تصور آزادی“ نہیں۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور

اختر سردار

حضرت محمد ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع 632ء کے موقع پر جو آخری تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس کو انسانی حقوق کے حوالے سے مستند ترین۔ قدیم ترین اور سب سے پہلی دستاویز سمجھا جاتا ہے۔ اس خطبہ کی بنیاد حقوق العباد پر رکھی گئی ہے۔ جس میں واضح طور پر ارشاد ہے۔ ”تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو نسل، ذات، اور خاندان کی بنیاد پر کسی دوسرے پر برتری حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر“ خیال رہے انسانی حقوق کے عالمی منشور کی بنیاد اسی خطبہ حجۃ الوداع سے اٹھائی گئی ہے۔ اسلام نے بنیادی طور پر انسان کو چھ (6) حقوق فراہم کیے ہیں (1) جان کا تحفظ (2) عزت و آبرو کا تحفظ (3) مال کا تحفظ (4) اولاد کا تحفظ (5) روزگار کا تحفظ (6) عقیدہ و مذہب کا تحفظ وغیرہ۔

آج سے 67 برس قبل 10 دسمبر 1948ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کا عالمی منشور منظور کیا تھا۔ اس منشور کی یاد دہائی از سر نو عزم، تجدید عہد کے لیے یہ دن ہر سال منایا جاتا ہے۔ یہ منشور 30 دفعات پر مشتمل ہے، جو کہ انفرادی اجتماعی طور پر انسانی زندگی کے تمام حقوق کا دفاع کرتی ہیں، خواہ انسانوں کا تعلق کسی بھی مذہب، عقیدہ، رنگ، نسل، قوم یا ملک سے ہو۔ اقوام متحدہ کے ہر رکن ممالک کی ذمہ داری ہے کہ بحیثیت رکن ”انسانی حقوق کے عالمی منشور“ کا احترام کریں اور اپنے اپنے ملک کے شہریوں کو ان کے تمام حقوق کی فراہمی کی ضمانت دیں۔

اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کے چارٹر اور قرارداد کی رو سے دنیا بھر کے



انسانوں کو ہر طرح کے حقوق جن میں جینے کا حق، امتیاز سے پاک مساوات یا برابری کا حق، اظہار رائے کی آزادی، معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق جن میں روزگار، سماجی تحفظ، تعلیم، صحت، ترقی اور حق خود ارادیت اور دیگر حقوق شامل ہیں۔ اس عالمی منشور کی پہلی دفعہ دیکھیں ”ہر شخص آزاد پیدا ہوا ہے، وہ اپنے حقوق اور احترام میں کسی دوسرے سے کم ترین نہیں“ پوری دنیا میں اس شق کا جو حشر ہو رہا ہے اس سے ساری دنیا ہی واقف ہے۔ اس دن دنیا بھر میں انسانی حقوق کی پامالی کرنے والے ممالک اقوام متحدہ کی چھتری تلے انسانی حقوق کا عالمی دن مناتے ہیں۔ مثلاً امریکہ بھارت، اسرائیل وغیرہ حقوق انسانی کا عالمی دن منانا اس وقت تک فضول ہے، جب تک امریکہ و دیگر ممالک و اقوام متحدہ انسانیت کے احترام کا عملی ثبوت نہیں دیتے۔ شام، عراق، لیبیا، صومالیہ، افغانستان، کشمیر، برما، فلسطین وغیرہ حالت جنگ میں ہیں، جہاں بڑے پیمانے پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں۔ فلسطینی علاقوں اور خاص طور پر غزہ میں انسانی حقوق کی کیا صورت حال یہ کس سے مخفی ہیں اور دنیا کی بڑی طاقتیں آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہیں۔ کشمیری عوام آج بھی اپنے حق سے محروم ہیں، جس کا وعدہ خود اقوام متحدہ، پاکستان اور بھارت کی حکومتوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ برما میں زندگی سسک رہی ہے۔ بھارت کا حال کس سے مخفی ہے۔

جو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے ساتھ سیکولر ہونے کا بھی دعوے دار ہے، ذات پات کے نام پر انسانوں پر ظلم و جبر صدیوں سے جاری ہے۔ جو اعلیٰ ذات کے گھرانے میں پیدا ہو گیا وہ چھوٹی ذات والوں پر ہر طرح ظلم کر سکتا ہے۔ جس ذہن میں برتری کا یہ خناس موجود ہو اس انسان کو دوسرے انسانوں پر جبر سے کیسے روکا جاسکتا ہے؟ پاکستان میں بھی یہ دن منایا جاتا ہے۔ پاکستان کی غربت، بد امنی، بیروزگاری،



بہتہ خوری، کرپشن زدہ عوام جو اپنے حقوق سے ہی نہیں بلکہ شعورِ حق سے بھی محروم ہے، ہر سال اقوام متحدہ کے چارٹر پر موجود دیگر 200 ممالک کے عوام کی طرح انسانی حقوق کا عالمی دن مناتی ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان بھی ایسے ممالک کی فہرست میں شامل ہے، انسانی حقوق کی یہ خلاف ورزیاں آئے روز ہوتے رہتی ہیں۔

ملک میں غریبوں اور امیروں کے لیے الگ الگ قانون ہیں۔ پاکستان کا انسانی حقوق کے کمیشن کا کام صرف ہر سال اپنی سالانہ رپورٹ میں ملک میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی نشاندہی کرنا ہے۔ اس کے حکومت اور دیگر انسانی حقوق کے اداروں کی طرف سے ہر سال عوام کو یہ نوید سنائی جاتی ہے کہ ہم انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے پرعزم ہیں۔ عوام کو ان کا حق دلا کر دم لیں گے۔ حکومت انسانی حقوق کی تمام شقوق کی پاسداری کیلئے کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے اور یہ نعرہ دل پذیر تو زبان زد عام ہے کہ انسانی حقوق اور جمہوریت کو چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ تمام سرکاری محکموں میں انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ اسلام اور انسانی حقوق کے حوالے سے دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے حقوق انسانی کی بنیاد رکھی، پیغمبر الزمان نے حجۃ الوداع کے موقع پر دیا گیا خطبہ حقوق انسانی کا پہلا بین الاقوامی چارٹر تھا۔ قرآن میں ارشاد ہے ”لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قوم اور قبیلہ بنائے تاکہ ایک دوسرے کے شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں سے قابل احترام اور عزت والا وہ ہے، جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ ارشاد ہے ”اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ اس سے اچھی ہوں اور اپنے (بھائی) کو عیب نہ لگاؤ، اور ایک دوسرے کو برے نام سے مت پکارو۔“



دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

مولانا محمد مبشر بدر

انسانیت پر قدرت کا اس سے بڑا احسان اور کیا ہو گا کہ ان کو حضرت محمد ﷺ جیسی بابرکت و پاکیزہ ہستی عطا کی، جو رحمت و شفقت، محبت و الفت، جو دوستی و سخا اور امن و وفا کی پیکر ہے۔ جن کے دم سے کائنات کو ثبات ہے۔ جو غریبوں اور بے کسوں کے ماویٰ و ملجأ اور بے سہاروں کے لیے سہارا ہیں۔ بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے والے، غم زدوں کی دلجوئی کرنے والے، مہمان نوازی میں درِ یتیم اور یتیموں کے سروں پر دستِ شفقت رکھنے والے ہیں۔ جب بارِ رسالت آپ کے سپرد کیے جانے کا وقت آیا اور علامات وحی کا ظہور ہونا شروع ہوا تو آپ علیہ السلام غارِ حراء سے گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «إِنِّي قَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي»

”اے خدیجہ! مجھے اپنی جان جانے کا خطرہ ہے۔“

یہ سن کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بولیں: «كَلَّا - وَاللَّهِ لَا يُخْزِيكَ اللَّهُ، إِنَّكَ لَتَصِلَ الرَّحْمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتُقَرِّى الضَّيْفَ، وَتُكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ»۔

”ایسا ہر گز نہیں ہو گا۔ بخدا اللہ آپ کو کبھی خالی ہاتھ نہیں کرے گا، بلاشبہ آپ رشتہ داری کا بھرم رکھتے ہیں، گفتگو میں سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں، مہمان نواز ہیں، مفلسوں کے لیے آپ کماتے ہیں اور مشکل حالات میں حق کا ساتھ دیتے ہیں۔“



یہ وہ پیغمبر برحق ہیں جن کے کمالات و محاسن کی دنیا قائل ہے، روئے زمین پر ان جیسا اعلیٰ اخلاق کا حامل، بردبار، شیریں سخن، نازک دہن، گل بدن، اپنی ذات میں ایک انجمن، صاحب العفت و الحیاء، صاحب جو دو سٹخا، صاحب الرداء السوداء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کسی ماں نے جناہی نہیں ہے اور نہ ہی کسی آنکھ نے دیکھا ہے۔

شاعرِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ علیہ السلام کی مدحت میں فرماتے ہیں:

| | | | | | |
|------------|-----------|----------|--------|--------------|---------|
| وَأَحْسَنَ | مِنْكَ | لَمْ | تَرَ | قَطُّ | عَيْنِي |
| وَأَجْمَلَ | مِنْكَ | لَمْ | تَلِدِ | الْإِنْسَاءُ | |
| خُلِقْتُ | مُبَدَّأً | وَمِنْ | كُلِّ | عَيْبٍ | |
| كَأَنَّكَ | قَدْ | خُلِقْتَ | كَمَا | تَشَاءُ | |

”آپ سے زیادہ حسین کسی آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں ہے، اور آپ سے زیادہ خوبصورت عورتوں نے کبھی جناہی نہیں ہے۔ آپ کو ہر عیب سے پاک کر کے پیدا کیا گیا، گویا آپ کو ایسے پیدا کیا گیا جیسا آپ نے چاہا۔“

وہ دانائے سُبُل ، ختم الرُّسُل ، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشنا فروغِ وادی سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن ، وہی فرقاں ، وہی لُسن ، وہی طہ
آپ کی حیاتِ طیبہ کا کون سا گوشہ ہے جو انسانیت کے لیے مشعلِ راہ



نہیں ہے؟ خلاقِ عالم نے آپ کی ایک ایک ادا کو امت کے لیے قابلِ تقلید بنادیا اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کا درجہ دیا، آپ کے فیضانِ نظر سے رومی، فارسی، حبشی، غفاری سے لے کر بادیہ نشینان و شاہانِ عرب و عجم تک حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ ایسی مقدس اور پاکیزہ ہستی کے اوصاف اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ نے آپ علیہ السلام کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور آپ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا ہے۔

یہ امت جب تک رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع نہیں کر لیتی، آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل پیرا نہیں لیتی تب تک کامیابی کی منازل طے نہیں کر سکتی۔ آپ کا دائرہ نبوت قیامت تک آنے والے جن و انس کے علاوہ تمام مخلوقات تک پھیلا ہوا ہے۔

آپ علیہ السلام نے امت کو ایک منہج اور راستہ دیا، زندگی گزارنے کے لیے ایک نصاب دیا جس پر آپ کے اصحاب علیہم الرضوان نے عمل پیرا ہو کر اتباعِ رسول ﷺ کا حق ادا کر دیا اور آپ کے بعد اسلام کی روشنی چہار دانگِ عالم میں پھیلانے کے لیے گھر بار چھوڑ دیا اور اپنے بعد والوں کے لیے ایک بہترین مثالی طرزِ زندگی چھوڑ گئے۔

وہ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی پامردی اور استقلال ہی تھا، جو صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر ننگی پیٹھ اور سینے پر پتھر رکھے ہوئے زبانِ مجسم سے اشہدان محمد! رسول اللہ کی گردان جاری رکھے ہوئے ہیں۔

وہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا شبابِ وفا ہی تھا، جو جلتے ہوئے انگاروں



پر محمد رسول اللہ کا ورد جاری رکھے ہوئے تھا۔

یہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کا عشق صادق ہی تھا کہ جسم کے دو ٹکڑے
کروا دیے۔

یہ سیدہ زبیرہ رضی اللہ عنہا کی وفاداری تھی کہ غلامی رسول ﷺ کی
سزائیں آنکھیں قربان کر بیٹھیں۔

ذرا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول دیکھیے، گھر کا سارا مال رسول
اللہ ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ یہ عشق مصطفیٰ ﷺ ہی تو تھا جس
کی بنا پر جلتے ہوئے انگاروں اور تپتے ہوئے صحراؤں پر لیٹنا سہل ہو گیا تھا۔ آج اسی
جذبے اور عشق کی ضرورت ہے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

امت کی فکر میں اپنا آرام تیاگ کر راتوں کو سجدوں میں رونے والے نبی
جو قدم قدم پر اپنی امت کی کامیابی اور سرخروئی کی دعائیں کرتے چلے گئے، آج
ان کی وہی امت سنت نبوی کو چھوڑ کر رسوم و رواج کے پیچھے ایسے چل پڑی ہے
جیسے انہیں اپنے رسول ﷺ کی سنت، عزت و حرمت کا پاس نہیں، ان کے
ارشادات اور طریقوں کی اہمیت نہیں۔ دین و ایمان کی حرارت سینوں میں
ٹھنڈی ہوتی جا رہی ہے۔

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں



گمراہی کے سینکڑوں راستے ہیں لیکن ہدایت کا صرف ایک ہی راستہ ہے جو اتباعِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اس سے ہٹ کر گزاری گئی زندگی ناکام اور خسارے والی ہے۔

آج ضرورت اسی امر کی ہے کہ امت کے بکھرے شیرازے کو ایک مرکز کی طرف مجتمع کیا جائے، سینوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی شمع فروزاں کی جائے۔ رسومات و بدعات کو ترک کر کے سنتوں اور احکاماتِ اسلامیہ کو اپنائیں۔ ایک مسلمان کے لیے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کوئی محبوب و محترم ہستی نہیں ہو سکتی، چنانچہ آقا علیہ السلام کا فرمان ہے:

”تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والدین، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (صحیح مسلم)

ہم سے رسول برحق ﷺ سے عہدِ پیمائی اور وفاداری کے بارے سوال کیا جائے گا، اگر ہم ان کی شفاعت کے امیدوار ہیں تو ہمیں ان کے منہج اور طریق پر ضرور چلنا ہو گا، بغیر اتباع کے محض نعرہ بازی سے بات بننے والی نہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال نے جوابِ شکوہ میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

دوبائیں (اشتقاق احمد کے لیے)

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

1944ء کے وسط کی بات ہے، 4 جون اپنی آخری سانسیں گن رہا تھا، شام ساڑھے سات بجے جب سورج اپنی کرنیں سمیٹ کر جانبِ غروب رو بہ سفر تھا عین اسی وقت چند فتنہ پرور لوگ سچے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی امت کو مرتد بنانے کے منصوبے..... تعلیم الاسلام کالج قادیان کے باقاعدہ افتتاح کرنے..... پر عمل پیرا تھے اور اہل اسلام کے اساسی عقیدہ ختم نبوت پر شب خون مارنے کے لیے پُر تول رہے تھے کہ دوسرے ہی دن 5 جون 1944ء کو خدائے حکیم وخبیر نے عقیدہ ختم نبوت کا ایک مجاہد پیدا فرمادیا۔

بھارت کی ریاست پانی پت..... جس کی زمین شہدائے اسلام کے مبارک لہو سے سیراب ہو چکی تھی..... کے ضلع کرناٹ (مشرقی پنجاب) میں مشتاق احمد ولد گل محمد کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا، جسے دنیا ”اشتقاق احمد“ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ظالم برطانوی سامراج سے آزادی اور تقسیم برصغیر کے وقت قیام پاکستان کے دوران ان کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان کے شہر جھنگ میں سکونت پذیر ہوا۔

اشتقاق احمد نے ابتدائی تعلیم شیخ لاہوری اسکول جھنگ صدر میں حاصل کی جبکہ میٹرک تک اسلامیہ ہائی اسکول جھنگ زیر تعلیم رہے۔ آپ کے علاوہ آپ کے چار بہن بھائی اور بھی تھے۔ اشفاق احمد، اخلاق احمد اور آفتاب احمد اور ایک بہن مسماۃ نسیم صاحبہ۔ 1967ء میں آپ نے شادی کی۔ آپ کی اولاد میں 4 بیٹیاں اور 5 بیٹے ہیں۔

اشتقاق احمد کو اکثر لوگ محض ایک ”ناول نگار“ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔

وہ ابن صفی، امین نواز (مینا ناز)، عبد اللہ حسین، شوکت صدیقی، ڈپٹی نذیر احمد، خالد اختر، منشی پریم چند، مرزا ہادی رسوا اور قرۃ العین حیدر جیسے محض ناول نگار نہیں تھے کہ جن کے ناولوں میں الفاظ کی مینا کاری اور خیالات و تصورات کا ہجوم ہی ہجوم ہو۔

بالکل بجا کہ وہ عالمی شہرت یافتہ معروف و مقبول ناول نگار تھے۔ 800 سے زائد ناول ان کے تخلیقی شاہکار ہیں۔ ہزار ہا مضامین نے ان کی نوکِ قلم سے جنم لیا۔ ان کی تحریر کے ڈھانچے میں اصلاحِ معاشرہ کا ”انسان“ جاگتا رہتا تھا۔ بلا کی سلاست، سسپنس، جاسوسی کردار، معاشرتی جرائم کے خاتمے کے منصوبوں کی جھلک ان کی تحریروں میں نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ گھنٹوں گھنٹوں بے تکان لکھتے رہتے۔ وہ الفاظ و معانی اور ان کے ترکیب استعمال کے خوب ماہر تھے۔ ادب کی صنفِ ناول سے ان کو خاص شغف تھا۔ اردو نثر کے شناور تھے۔ ان کی تحریر ان کی شخصی وضع قطع کی طرح ”سادگی“ کے نقطے کے گرد دائرے کو مکمل کرتی ہے۔

لیکن ان کی زندگی.... جسے وہ بذاتِ خود شعور والی زندگی کہتے تھے.... سے خود ان کے قارئین کا بہت بڑا حلقہ بہت کم واقف ہے۔ اشتیاق احمد کی زندگی کا رخ جب اسلامی عقائد و نظریات، حقانیت مسلکِ اہل سنت والجماعت اور اخلاقی تہذیب و تمدن کی طرف ہوا تو ان کے قلم نے ان کے تحفظ کا فریضہ بھی بخوبی انجام دیا ہے۔ خصوصاً عقیدہ ختم نبوت اور حیاتِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انہوں نے دلائل، حقائق اور اپنے دلی جذبات کو الفاظ کا عمدہ لباس پہنایا جس کے بدلے یقیناً خدا انہیں جنت کا لباس پہنائیں گے۔

جھوٹے مدعی نبوت مرزا قادیانی کا جو نقشہ انہوں نے اپنے ناول ”تھالی کا بیگن“ میں کھینچا ہے بطور خاص پڑھنے کے قابل ہے۔



”وادیٰ مرجان“ میں مرزائی ذریت کو جس طرح چاروں شانے چت کیا ہے، قابل دید ہے۔

”انشارجہ کا جاسوس“ میں جہاں عقیدہ ختم نبوت کا پرچار کیا ہے وہاں مرزائیت کو بے نقط سنائی ہیں۔

”قیامت کے باغی“ اور ”قاتل کا قاتل“ نامی اپنے ناولوں میں عیسائیت کی خوب خبر لی ہے۔

”حسین رضی اللہ عنہ کی باتیں“ نامی اپنے شاہکار ناول میں جہاں نواسہ رسول کی منقبت اور فرمودات سے آشنائی کرائی ہے وہاں پر جھوٹے مدعی حب آل نبی سے آگاہی بھی کرائی ہے۔

”سفر نامہ عمرے کا“ میں عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسئلہ توسل پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں:

میری نظر مفتی صاحب (مفتی عبدالرحیم المعروف بہ ”استاد صاحب“ جامعۃ الرشید کراچی) پر پڑی وہ کچھ فاصلے پر آگے جا کر رک گئے تھے اور میری طرف دیکھ رہے تھے..... اس وقت وہ بولے: اشتیاق صاحب آپ گنبد خضریٰ دیکھ رہے ہیں؟

”جی..... جی ہاں۔“ یہ کہہ کر میں نے گنبد خضریٰ کی طرف سر اٹھا دیا۔ آنکھیں اس پر جم گئیں۔ آپ کو اس میں ایک سوراخ نظر آرہا ہے؟

”جی..... سوراخ؟“ میں نے حیران ہو کر کہا۔ کیونکہ میرے خیال میں گنبد خضریٰ میں سوراخ کا بھلا کیا کام تھا؟

وہ دیکھیے انہوں نے انگلی کے اشارے سے مجھے سوراخ دکھایا۔

اب مجھے سوراخ نظر آگیا۔



جی ہاں سوراخ نظر آگیا۔ لیکن یہاں یہ سوراخ کیسا؟
اس سوراخ کی بھی ایک کہانی ہے۔ یہ کہتے وقت مفتی صاحب مسکرا دیے۔
”کہانی؟“ میرے منہ سے نکلا۔

مفتی صاحب فرمانے لگے: بہت مدت پہلے کی بات ہے ایک بار بارشیں بالکل
نہ ہوئیں خشک سالی ہو گئی لوگ علماء کے پاس آئے ان سے درخواست کی انہوں نے
بھی بارش کے لیے دعائیں کی لیکن بارش پھر بھی نہ ہوئی اب تو علماء سر جوڑ کر بیٹھ گئے
کہ کیا کیا جائے؟ آخر کسی نے مشورہ دیا گنبد خضریٰ میں سوراخ کر دیا جائے... یہ بات
بہت عجیب تھی لیکن اس پر عمل کیا گیا جو نہی سوراخ کیا گیا ایک چھوٹا سا بادل اٹھا اور
سوراخ کے اوپر آکر رک گیا پھر اس سے بارش شروع ہو گئی بارش کے قطرات اس
سوراخ سے اندر جانے لگے اس کے بعد بادل بڑھا اور چاروں طرف بارش ہونے لگی
... خوب بارش ہوئی۔ مفتی صاحب یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے تو میں بے ساختہ بول
اٹھا: سبحان اللہ! میں یہ واقعہ عمرے کے سفر نامے میں ضرور شائع کروں گا۔

اسی لیے تو آپ کو سنایا ہے وہ مسکرا دیے۔

اب دوسرا واقعہ سنئے۔ یہ بھی کافی مدت پہلے کا واقعہ ہے مدینہ منورہ کے
گورنر (نام یاد نہیں رہا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ ان
سے فرما رہے تھے: ”میں بدبو محسوس کر رہا ہوں۔“

ان کی آنکھ کھلی بہت پریشان ہوئے علماء کرام کو بلا کر اپنا خواب بیان کیا وہ
بھی سوچ میں پڑ گئے... آخر ایک عالم نے مشورہ دیا: گنبد خضریٰ کی تلاشی لی جائے۔

اس میں راستہ نکالا گیا اندر کا جائزہ لیا گیا وہاں ایک کبوتر مرا پڑا تھا اور اس
میں سے بدبو اٹھ رہی تھی... کبوتر کو نکال کر ایسے کسی پرندے کے اندر جانے کے تمام

راستے بند کر دیے گئے۔

مفتی صاحب یہاں تک سنا کر خاموش نہیں ہوئے فوراً ہی بولے:

اس واقعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں..... ویسے تو اس میں اہل السنۃ والجماعت میں سے کسی کو اختلاف نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں میں نے فوراً مفتی صاحب سے پوچھا: کیا میں یہ واقعہ بھی سفر نامہ عمرہ میں شامل کر سکتا ہوں؟ مفتی صاحب مسکرائے اور فرمانے لگے: ہاں کیوں نہیں! یہ تو اجماعی عقیدہ ہے۔ (سفر نامہ عمرے کا ص 45، 46)

اشتیاق احمد نے کئی قلمی نام بھی استعمال کئے جن میں سب سے زیادہ معروف "عبد اللہ فارانی" ہے۔ اس نام سے بھی آپ نے 8 تصنیفات پر مشتمل مقبول عام سلسلہ "قدم بقدم" لکھا۔ جس میں اسلامی معلومات کا کافی زیادہ ذخیرہ موجود ہے۔

| | |
|-------------------------|--------------------------|
| سیرت النبی ﷺ قدم بقدم | واقعات صحابہ کے قدم بقدم |
| اسلامی جنگیں قدم بقدم | ائمہ اربعہ قدم بقدم |
| امہات المؤمنین قدم بقدم | سیرت الانبیاء قدم بقدم |
| عمر ثانی قدم بقدم | خلافت راشدہ قدم بقدم |

”ثراپ کے جلاذ“ نامی اپنے ناول کے مقدمے میں رقمطراز ہیں:

”پہلے ناول صرف ناول ہوتے تھے بعد میں میرے ناولوں میں اسلامی رنگ شامل ہونے لگا اور ہوتے ہوتے بات بہت آگے بڑھ گئی۔ اسلامی رنگ کیا آیا۔ مرزائیت کے خلاف، شرک اور بدعت کے خلاف، دہریت کے خلاف، شیعیت کے خلاف، اسلام دشمن عناصر کے خلاف، عیسائیت کے خلاف قلم چلنے لگا تو ناولوں کی



اشاعت میں فرق آگیا اور تعداد فروخت کم ہونے لگی... مجھے کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ میں یہ روش چھوڑ دوں اور صرف ناول لکھوں۔ لیکن میں نے اس مشورے کو رد کر دیا کیونکہ میرے ذہن میں یہ بات رچ بس گئی تھی کہ اس سے پہلے کی زندگی تو میں ضائع کر چکا ہوں میری اصل زندگی تو اسی دن سے شروع ہوئی تھی جب میں نے وادی مرجان لکھا تھا... یہاں تک کہ ناولوں کے آخر میں مسئلہ ختم نبوت شائع ہونے لگا۔ پھر انجمن دعوت فکر و عمل کے اسباق شائع ہونے لگے۔ عیسائیت سے چند سوال شائع ہونے لگے..... تعداد اشاعت کم ہوتے ہوتے کافی حد تک کم ہو گئی لیکن پھر ایک جگہ رک گئی اس کا گرنا بند نہ ہوتا اور یہ نہ رکتی تب بھی میرا فیصلہ یہی تھا کہ اس کام سے باز نہیں آؤں گا کیونکہ دین کی تبلیغ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے.... بے شمار خطوط اس قسم کے موصول ہوتے ہیں کہ آپ کے فلاں ناول نے ہماری آنکھیں کھول دیں ہم تو اب تک گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے..... سو میں نے خیال کر لیا کہ آخرت کی تجارت اس دنیا کی تجارت سے دس گنا بہتر ہے۔“

مشکلات کی گرداب میں پھنسے رہنے کے باوجود مذہب اسلام اور احکام اسلام پر جس ثابت قدمی سے انہوں نے زندگی گزاری ہے۔ وہ بہت کم خوش نصیبوں کے حصے میں آتی ہے۔ میری ان سے ایک بار ملاقات ہوئی۔ چھوٹے قد کے باوجود بڑے ہمت و حوصلے کے مالک تھے۔ علم دوست، مہمان نواز، ملنسار اور خوش اخلاق انسان تھے۔ راقم کا تذکرہ انہوں نے دوبار کیا ہے۔ پہلی بار ان کلمات سے نوازا:

”پروگرام کی آخری تقریر حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب کی تھی... مولانا الیاس گھمن صاحب کی تقریر کا ایک امتیاز ہے جو آج تک کسی اور مقرر کے حصے میں نہیں آیا کہ بغیر اتنی رفتار سے تقریر کرتے ہیں کہ سننے والوں کو بہت پیچھے چھوڑ



جاتے ہیں۔ سننے والے بھاگ دوڑ کر ان کی تقریر کا پیچھا کرتے ہیں لیکن انہیں پکڑا نہیں جاسکتا..... ان کی تقریر کے دوران میں نے کئی بار اپنے سر کو زوردار جھٹکے دیے کہ کسی طرح میرا دماغ ان کی تقریر کا ساتھ دے سکے..... لیکن یہ ممکن نہیں ہو سکا وہ آگے ہی آگے نکلتے چلے گئے اور میں کہیں بہت پیچھے ان کی تقریر کے نکات سمیٹتا رہ گیا... اللہ اور زور زبان عطا فرمائے۔ آمین“

(بچوں کا اسلام شمارہ نمبر 544)

دوسری اور آخری بار وفات سے کچھ دن پہلے ان الفاظ سے اپنی محبت کا ثبوت دیا: ”مولانا محمد الیاس گھسن صاحب کی برق رفتار تقریر ایک سماں باندھ دیتی ہے اور ہم سب کی عقلوں کو بہت پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل جاتی ہے لیکن آپ کو ان کا آگے نکل جانا بھی پسند آئے گا اور اپنا پیچھے رہ جانا بھی۔“

(بچوں کا اسلام 18 اکتوبر 2015ء)

اس سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ میرا اور اشتیاق احمد رحمہ اللہ کا کتنا گہرا اور پیارا والا تعلق تھا۔

چند روز پہلے وہ اپنے ناولز کے حوالے سے ایک ادبی تقریب میں شرکت کے لئے کراچی روانہ ہوئے۔ ایکسپوسینٹر میں ہونے والے عالمی کتب میلے میں بھی انہوں نے شرکت کی تھی۔ شرکت کے بعد واپس اپنے آبائی شہر جھنگ جانے کے لئے ایئرپورٹ پر موجود تھے کہ اچانک انہیں دل کا دورہ پڑا جس کے باعث وہ جانبر نہ ہو سکے۔ اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اشتیاق احمد کے جانے سے نوجوانوں کے اذہان پر اسلامی رنگ کہیں مدہم نہ پڑ جائے۔ آئیے! اشتیاق احمد کے جذبات اور فن کو زندہ رکھنے کے لیے عزم بھی کریں اور اس کے لیے خوب محنت بھی۔

حلال نوڈز پر توجہ دیجیے !!

مولانا عبد المنعم فائز

اس وقت دنیا بھر میں 640 ارب ڈالر سے بڑی حلال نوڈ کی مارکیٹ ہے، مگر پاکستان صرف 100 ملین ڈالر سالانہ کی پیداوار کر رہا ہے۔ دنیا بھر کی حلال مارکیٹ میں پاکستان کا حصہ 2.9 فیصد ہے۔ حالانکہ پاکستان میں 159 ملین حلال جانور ہیں۔ خلیج کے اسلامی ممالک میں برازیل حلال گوشت کا سب سے بڑا ایکسپورٹر (برآمد کنندہ) ہے۔ وہ خلیج کے تمام اسلامی ممالک میں آنے والا 54 فیصد گوشت فراہم کرتا ہے۔

اس کے بعد دوسرے نمبر پر بھارت ہے۔ گاؤماتا کی پوجا کرنے والا یہ ملک خلیجی ممالک کا 11 فیصد گوشت فراہم کرتا ہے۔ برازیل آبادی کے لحاظ سے دنیا کا پانچواں بڑا ملک ہے، مگر گوشت کی عالمی مارکیٹ میں اس کی اجارہ داری ہے۔ ایک سال میں صرف بحری راستے سے برآمدات کے ذریعے اس نے 10 ارب ڈالر سے زیادہ نفع کمایا۔ اس کے بعد سیکولر ملک آسٹریلیا کا نمبر آتا ہے۔ اسلامی ممالک اپنا 9 فیصد گوشت اسی ملک سے خریدتے ہیں۔ اس کے بعد یورپی ممالک ہیں جو دنیا کا 7 فیصد حلال گوشت فراہم کرتے ہیں۔ اس کے بعد نیوزی لینڈ، امریکا اور ارجنٹائن آتے ہیں۔ خلیجی ممالک کا 89 فیصد حلال گوشت انہی ممالک سے آتا ہے۔

اس کی فہرست پر نظر ڈالتے جاییے اور حیرت کے سمندر میں ڈوبتے جاییے پاکستان میں ہر سال ایک کھرب 21 ارب روپے کی تیار شدہ اشیاء درآمد کی جاتی ہیں۔ دنیا بھر سے آنے والی ان اشیاء میں دودھ، کریم، مکھن سے لے کر گوشت اور کیمکلز شامل ہیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ پاکستان کے اقتصادی تعلقات امریکا، یورپی یونین



اور چین کے ساتھ ہیں۔ پاکستان میں آنے والی اکثر انہی ممالک کی ہوتی ہیں۔ دبئی اور دیگر خلیجی ممالک کا یہ حال ہے کہ ان میں یورپی و امریکی تاجروں کو خصوصی مراعات حاصل ہیں۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ آخر پاکستانی تاجر انتہائی دور موجود یورپ و امریکا سے ہی کیوں تجارت کرتے ہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ پاکستانی تاجروں نے گوشت کی برآمدات کو برازیل، آسٹریلیا اور انڈیا کے لیے کیوں چھوڑ دیا ہے؟ پنجاب حکومت کہتی ہے کہ ذرا سی توجہ سے ہماری گوشت برآمدات 100 ملین ڈالر سالانہ سے بڑھ کر 500 تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہماری ترجیحات میں یہ شعبہ شامل ہی نہیں ہے۔ چند سال قبل تک تو گوشت برآمد کرنے والے ممالک میں پاکستان کی کوئی کمپنی نظر ہی نہیں آتی تھی۔

دنیا بھر میں حلال گوشت برازیل، بھارت اور ارجنٹائن کا فروخت ہوتا ہے۔ ان تمام ممالک سے آنکھیں بند کر کے تجارت کی جاتی ہے۔ گزشتہ ہفتے ہی سعودی عرب نے یورپ سے حلال گوشت درآمد کرنے پر پابندی لگا دی ہے۔ یورپ کے 8 ممالک سے گائے کے نام پر آنے والے گوشت کا تجزیہ کیا گیا تو وہ گھوڑے کا ثابت ہوا۔ اس کے بعد یورپ بھر سے آنے والے گوشت پر پابندی لگا دی گئی۔ گزشتہ ماہ تو ایسا کنٹینر بھی پکڑا گیا جس میں گائے کے نام پر آنے والا گوشت سورا کا نکلا۔ پاکستان کا حصہ عالمی مارکیٹ میں 2.9 فیصد ہے۔ حالانکہ پاکستان آبادی کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس اعتبار سے دنیا بھر میں پاکستان کی حلال برآمدات دوسرے نمبر پر ہونی چاہیے تھی۔ تجارت کا یہ کتنا اہم ترین شعبہ ہے جو اب تک ہماری توجہ سے محروم ہے۔ ہمارے درآمد کنندگان کو توجہ دینی چاہیے کہ وہ کن ممالک سے کھانے، پینے اور لگانے کی اشیاء درآمد کر رہے ہیں اور کیا وہ واقعی حلال بھی ہیں یا نہیں؟

اسلام میں تجارت کی اہمیت

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

قرآن مجید میں کم سے کم 32 مقامات پر زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے یا اس کی ترغیب دی گئی ہے اور اسی طرح 16 مواقع پر بطور ترغیب یا مدح کے صدقہ دینے والوں کا ذکر آیا ہے اس کے برخلاف شاید ہی کوئی آیت ہو جس میں زکوٰۃ اور صدقہ لینے کی ترغیب دی گئی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا منشا یہی ہے کہ مسلمان جائز طریقہ پر اپنے آپ کو اس لائق بنانے کی کوشش کریں کہ وہ خود زکوٰۃ ادا کریں۔

وہ صدقہ دینے کے موقف میں ہوں نہ کہ لینے کے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اوپر یعنی دینے والے ہاتھ کو نیچے کے ہاتھ یعنی لینے والے ہاتھ سے بہتر قرار دیا۔ دنیا کے مذاہب میں شاید اس کی کوئی مثال مل سکے جو معتدل اور متوازن تصور مال کے سلسلہ میں اسلام کا ہے۔ قرآن مجید نے مال کو ”خیر“ اور ”فضل“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے معنی اچھی اور بھلی چیز کے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو مناسب مقدار میں مال حاصل ہو جائے، انہوں نے کہا اللہ کے رسول! میں مال کے لئے مسلمان نہیں ہوا۔ میں اپنی قلبی رغبت سے مسلمان ہوا ہوں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا صالح آدمی کیلئے صالح یعنی حلال مال بہت ہی بہتر شے ہے۔ (مسند احمد 17309)

پس اگر حلال طریقہ پر مال حاصل کیا جائے اور صحیح راستہ سے خرچ کیا جائے تو یہ اسلام میں عین مطلوب ہے، کیونکہ بہت سے حقوق مال ہی سے متعلق ہیں، اسی



لئے رسول اللہ ﷺ نے فقر و محتاجی کے بارے میں فرمایا: یہ ایسی چیز ہے جو بعض دفعہ انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے یہاں جو اعتدال و توازن تھا، ایک واقعہ سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک دن آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ساتھ بیٹھے تھے، لوگوں نے دیکھا ایک صحت مند طاقتور نوجوان صحیح دوڑ بھاگ میں لگا ہوا ہے۔ صحابہ کہنے لگے اس شخص پر افسوس ہے کاش اس کی جوانی اور طاقت اللہ کے راستہ میں صرف ہوتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کہو، اگر یہ اس لئے محنت کر رہا ہے کہ اپنے آپ کو دست سوال پھیلانے سے اور لوگوں کو محتاجی سے بچائے، تو یہ اللہ ہی کے راستہ میں ہیں، اسی طرح اگر اس کی دوڑ دھوپ کمزور والدین اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کیلئے ہو تا کہ ان کی ضروریات پوری کرے، تب بھی وہ اللہ ہی کے راستہ میں ہے، ہاں اگر اس کی یہ جدوجہد اس لئے ہو کہ دوسروں پر فخر کرے اور اپنی دولت مندی کا مظاہرہ کرے، تب اس کی دوڑ دھوپ شیطان کے راستہ میں ہے۔ (احیاء العلوم 2/61) کسب معاش کی بہت سی صورتیں ہیں اور جو بھی جائز صورت ہو، اسے اختیار کرنے میں مضائقہ نہیں، لیکن سب سے زیادہ بابرکت ذریعہ تجارت کا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دیانت دارانہ تجارت میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ باوجود یہ کہ حضور ﷺ کی رفاقت سے تھوڑی سے محرومی کو بھی پسند نہیں کرتے۔ لیکن پھر بھی آپ کی موجودگی میں بصرہ کا سفر تجارت کیا اور حضور ﷺ کو بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فراق پسند نہیں تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے خود تجارت فرمائی، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور اکثر مہاجرین کا ذریعہ معاش تجارت ہی تھا۔ حضرت علیؓ چونکہ حضور ﷺ



کی خدمت میں مشغول رہتے تھے اس لئے انہیں اس کا موقع کم ملا تاہم گاہے بگاہے انہوں نے بھی تجارت فرمائی۔ سر حیل فقہا امام ابو حنیفہ بڑے تاجروں میں تھے۔ اس المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اکثر سلف صالحین کا ذریعہ معاش تجارت تھا ان کا یہ مشغلہ اس لئے بھی تھا کہ وہ اپنے آپ کو حکومت کے اور اہل ثروت کے احسان سے بچا کر رکھنا چاہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے تاجر کے بارے میں فرمایا کہ: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر قیامت میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا (ترمذی) اسلام سے پہلے عرب میں لوگ تاجروں کے لئے سمسار کا لفظ استعمال کرتے تھے، جس کے معنی دلال کے ہیں، یہ ایک ناگوار تعبیر سمجھی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے ایک مہذب لفظ تاجر کا اختیار فرمایا اور فرمایا کہ: اے جماعت تجار! خرید و فروخت میں لغوبات بھی آجاتی ہے اور قسم کھانے کی نوبت بھی آتی ہے لہذا صدقہ کے ذریعہ اس کی تلافی کیا کرو (ابوداؤد) رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ آپ سے درمیان کیا گیا کہ سب سے پاکیزہ کمائی کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: اپنے ہاتھ کا کام اور صحیح طریقہ پر تجارت۔ (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام، حالانکہ تاجر بھی اپنا سرمایہ لگاتا ہے اور سود خور بھی، تاجر بھی اپنے سرمایہ لگانے کی مدت کے لحاظ سے نفع حاصل کرتا ہے اور سود خور بھی مہلت کی گویا اجرت حاصل کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور اسے بے برکتی کا باعث بتایا اور تجارت کو حلال قرار دیا اور باعث برکت بتایا گیا۔ کیوں کہ تاجر اپنے نفع کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ اس سے نفع ہوگا یا نقصان، نفع ہو تا تو کس قدر اور سود خور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے بجائے اپنا نفع بہر صورت متعین کرنا چاہتا ہے۔



تجارت کی فضیلت کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ تاجر اگر گاہک کا ربط بہت ہی گہرا ہوتا ہے اور خلیق و دیانت دار تاجر بہت آسانی کے ساتھ گاہک کے دل میں اپنی جگہ بنالیتے ہیں، اس میں مذہب و ملت اور قبیلہ و خاندان کی بھی کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ انسانی فطرت یہ ہیکہ جہاں ارزاں اور سستا سودا ملے، انسان اسی دکان کی طرف متوجہ ہوتا ہے خواہ دوست کی ہو یا دشمن کی اور اپنوں کی ہو یا بیگانوں کی۔ اسلئے ایک خدا ترس اور فہیم تاجر اپنی تجارت کو اسلام کی دعوت و اشاعت کا بہترین وسیلہ بنا سکتا ہے۔ اور دنیا کی تجارت کے ساتھ ساتھ آخرت کی تجارت کو بھی انجام دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ تجارت میں راست گوئی، دیانتداری اور خدا ترسی کی راہ اختیار کی جائے اور جو تجارت جھوٹ اور دھوکہ سے آلودہ ہو، وہ تجارت کو بے برکت اور بے فیض بنا دیتی ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قسم کھا کر سامان بیچا جاسکتا ہے لیکن اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ (بخاری) اسلامی تاریخ میں متعدد مثالیں اس کی موجود ہیں کہ محض تاجروں کے ذریعہ ایک پورے علاقہ اور وسیع خطہ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی خدمت پائی۔ خاص کر مشرقی ایشیا اور افریقی ممالک میں زیادہ تر مسلمان اور عرب تاجروں ہی کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوئی۔ انڈونیشیا میں اسلام کے ابتدائی دور میں جزیرہ صومাত্রہ پر عرب تجارت اترے اور پھر خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں عرب تاجروں نے جزائر انڈونیشیا کو اپنی دعوت و کوششوں کا خاص مرکز بنایا۔ فلپائن میں عرب تجارت قیام پذیر ہوئے اور ان ہی کی نسلوں سے اسلام پھیلا، ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں پہلی صدی سے چوتھی صدی تک عرب تاجروں کی دعوت اسلام کی کوششیں بار آور ہوتی رہیں۔ سری لنکا میں بھی پہلی صدی ہجری میں عرب تاجروں کے ذریعہ اسلام پہنچا۔ چھٹی صدی ہجری میں برما، عرب تجارت کے ذریعہ اسلام کی روشنی سے



منور ہوا، اور ملیشیا کے مسلمان تاجروں کے ذریعہ پہلی سی چوتھی صدی ہجری تک برونائی میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ جو اس وقت صد فیصد مسلم ملک ہے۔ کمبوڈیا میں نویں صدی ہجری میں اور سنگاپور میں ابتدائی صدیوں میں تاجروں ہی کے ذریعہ اسلام پہنچا۔ عرب تاجروں ہی کے ذریعہ پہلی صدی ہجری میں ہانگ کانگ اور تیسری صدی ہجری میں جنوبی کوریا میں اسلام کا چراغ روشن ہوا۔ اسی طرح چین کے ساحلی علاقوں میں بھی مسلمان تاجر ہی اسلام کی امانت لے کر پہنچے۔ افریقہ میں عرب سے قریبی علاقوں میں تو مجاہدین اور علماء کی کوششیں ہوئیں لیکن دور دراز علاقوں تک دعوت اسلام کے پہنچنے کا ذریعہ تاجر ہی بنے، تزانہ میں پہلی صدی ہجری اور نائیجیریا کے شمالی علاقوں میں دوسری صدی ہجری میں عرب تاجروں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوئی موریطانیہ میں بربر کے تازہ دم نو مسلم تجارت نے اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کیا۔

مزنیق میں ابتدائی صدیوں ہی میں عرب تاجروں کے ذریعہ اسلام پہنچا اور بارہویں صدی ہجری کے بعد پوری قوت سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ سوڈانی مسلمان تجارت وسطی افریقہ میں بارہویں صدی ہجری میں اسلام کی امانت لے کر پہنچے، انگولا میں اس وقت پچیس فیصد مسلمان ہیں اور یہ مسلمان تاجروں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ بنو امیہ کے عہد میں عرب تجارت اور مراکشی مسلمان سینگال میں خیمہ زن ہوئے اور ان کے ذریعہ وہاں اسلام کی بادی نسیم چلی۔ بحر ہند کے جزائر قمر میں چوتھی صدی ہجری میں عرب تاجر دین اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بنے، اسی طرح مغربی افریقہ کے مختلف ممالک میں تاجروں ہی کے ذریعہ اسلام کی عالم تاب کرنیں ضیاء ہوئیں (ملخص از انتشار الاسلامی فی العالم) صرف ایشیا اور افریقہ ہی نہیں بلکہ یورپ کے بہت سے علاقوں تک بھی اسلام کی تبلیغ و اشاعت تاجروں کے ذریعہ انجام پائی۔

اسلامی زندگی کے راہنما اصول

مفتی محمد تقی عثمانی

مومن در حقیقت وہ شخص ہے جو دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے تمام عقائد و احکام پر غیر متزلزل یقین رکھتا ہو۔ اور اس کو اس بات کا پختہ یقین ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو جو احکام دیے ہیں وہی ان کی دین و دنیا کی فلاح کے ضامن ہیں۔ اس ایمان کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق گزارے، جن باتوں کا اس کو حکم دیا گیا ہے ان کو بجالائے اور جن سے روکا گیا ہے ان سے رک جائے۔

لہذا ایک مومن کی بنیادی صفت یہ ہے کہ اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہر کام اور نقل و حرکت میں پہلے یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو اجازت ہے یا نہیں۔ اجازت ہوتی ہے تو کرتا ہے ورنہ رک جاتا ہے۔ چنانچہ اس کو زندگی میں اپنی نفسانی خواہشات کے بہاؤ پر بہنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بسر ہوتی ہے۔

مومن کی یہ وہ بنیادی اور جامع صفت ہے کہ اس کے نتیجے میں تمام نیک اور اچھی صفات اس میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جتنے احکام اپنے بندوں کو عطا فرمائے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ انسان اچھی صفات سے آراستہ اور بری صفات سے پاک ہو جائے اور جو شخص ایک مرتبہ یہ عہد کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی پابندی کرے گا تو لازماً وہ ساری اچھی صفات اس میں پیدا ہو جائیں

گی۔ مومن کی یہ صفات جو اطاعت خداوندی سے پیدا ہوتی ہیں اتنی بے شمار ہیں کہ مختصر وقت میں ان سب کا بیان ممکن نہیں۔ لیکن اگر اختصار اور جامعیت سے کام لیا جائے تو مومن کی صفات خاص طور سے زندگی کے پانچ شعبوں سے متعلق ہوتی ہیں:

عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ معاشرت۔ اور اخلاق۔

عقائد کے شعبے میں مومن کی بنیادی صفت قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

”اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں ان ہدایات پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں اور ان ہدایات پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبروں پر نازل کی گئیں اور وہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔“

مومن کی اس صفت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے جتنے عقائد اور جتنی ہدایات دنیا میں بھیجی ہیں ان سب کو برحق ماننے کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا پختہ یقین رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد اسے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہوگا۔

اس یقین کی بناء پر وہ رات کی تاریکی اور جنگل کی تنہائی میں بھی حتی الامکان کسی ایسے کام کا مرتکب نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس کو آخرت میں پروردگار کے سامنے شرمسار ہونا پڑے۔

عبادت کے شعبے میں مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو صرف اور صرف اللہ کا بندہ سمجھتا ہے، اللہ کے سوا کسی کو پوجتا ہے نہ کسی کے آگے جھکتا ہے، نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ اس کے سوا کسی کی قدرت اور اختیار سے کسی مدد کا طلب گار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے عبادت کے جتنے طریقے مقرر فرمادیئے ہیں ان سب کو



پورے اخلاص عاجزی اور احساس بندگی کے ساتھ بجالاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”فلاح وہ مومن حاصل کریں گے جو اپنی نماز میں خشوع سے کام لیتے ہیں۔“ اور آگے ارشاد ہے:

”اور جو لوگ رب کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور جو لوگ کہ (اللہ کی راہ) میں جو کچھ دیتے ہیں اس طرح دیتے ہیں کہ (مال خرچ کرنے کے باوجود) ان کے دل اس بات سے ڈرے ہوئے رہتے ہیں کہ انہیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور یہ لوگ دوڑ دوڑ کر نیکیوں کی طرف جاتے ہیں اور ان نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں۔“

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بدنی عبادت کا معاملہ ہو یا اس کی راہ میں مال خرچ کر کے مالی عبادت کا سوال ہو مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ سب سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور معاملات کے شعبے میں مومن کی صفت ہے کہ وہ اپنی بات کا سچا اور وعدے کا پکا ہوتا ہے وہ کسی سے دھوکہ، فریب، بد عہدی کا معاملہ نہیں کرتا اور بے جا طریقے سے دوسرے کا حق غصب کرنے کی فکر میں نہیں رہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

”اور وہ مومن فلاح یافتہ ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کا پاس کرنے والے ہیں۔“

لفظ ”امانت“ کے لغوی معنی ہر اس چیز کو شامل ہیں جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس کے معاملے میں اس پر بھروسہ کیا گیا ہو اور چونکہ ایسی امانت کی بہت سی قسمیں ہیں اس لئے قرآن کریم نے اس کے لئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے تاکہ اس میں امانت کی تمام قسمیں شامل ہو جائیں اس میں مالی امانت تو ظاہر ہی ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا کوئی مال کسی کے پاس رکھوایا ہو تو یہ اس کی امانت ہے جسے واپس کرنا

اس کی ذمہ داری ہے۔

اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کی ہو تو یہ بھی اس کی امانت ہے۔ اور شرعی عذر کے بغیر اس راز کا کسی پر ظاہر کرنا اس امانت میں خیانت ہے۔ اس طرح کسی ملازم کو جتنے وقت کے لئے ملازم رکھا اس پورے وقت کو ملازمت کے کام میں لگانا بھی امانت ہے۔ اور وقت کی چوری یا کام کی چوری خیانت کے حکم میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت کا پاس کرنا بڑا جامع لفظ ہے جس میں معاملات کی بے شمار قسمیں داخل ہو جاتی ہیں اور مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ ان تمام امانتوں کا پاس کرتا ہے۔

اسی طرح وعدے اور معاہدے کا پاس کرنے میں بھی معاملات کی بہت سی صورتیں داخل ہو جاتی ہیں۔ اشیائے فروخت میں ملاوٹ یا ان کے عیب کو چھپانا یا کم ناپ تول کا ارتکاب یہ تمام جرائم عہد شکنی میں داخل ہیں۔ اور مومن کی صفت یہ ہے کہ اسے اپنے معاہدے کا پاس ہوتا ہے وہ جیسا معاہدہ کرتا ہے اس کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔ کیونکہ اسے یقین ہے کہ اگر بد عہدی کے نتیجہ میں اس نے کچھ تھوڑا بہت ظاہری نفع کما بھی لیا تو دنیا و آخرت دونوں میں اس کا انجام بڑا ہی ہولناک ہو گا۔ معاملات کی صفائی، امانت داری اور معاہدے کی پابندی مومن کا وہ طرہ امتیاز رہا ہے جسے دیکھ کر ماضی میں بہت سے کافر مسلمان ہوئے۔

عبادت میں اگر تھوڑی بہت کوتاہی ہو جائے تو اس کی تلافی توبہ سے ہو سکتی ہے، لیکن بد معاملگی اور حقوق العباد کو تلف کرنے کی تلافی صرف توبہ سے بھی ممکن نہیں جب تک کہ صاحب حق کو اس کا حق نہ پہنچا دیا جائے۔ یا وہ خوش دلی سے از خود معاف نہ کر دے اس وقت تک اس گناہ عظیم کے معاف ہونے کی کوئی صورت نہیں۔



چنانچہ جب اسلام عملادینیا میں نافذ تھا تو اس وقت مسلمان خواہ کتنا ہی گیا گزرا ہو، لیکن چھوٹ، دھوکہ، فریب، بد عہدی، خیانت کو کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتا تھا۔ زندگی کا چوتھا شعبہ معاشرت ہے یعنی دوسروں کے ساتھ میل جول اور باہمی تعلقات کے انداز۔

اس شعبے میں ایک مومن کی بنیادی صفت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے:

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ ہوں۔“
 ”اور مومن وہ ہے جس سے دوسروں کو اپنی جان و مال کے معاملے میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ ہو۔“

اسلام کے نظام معاشرت کے تمام احکام اس بنیادی اصول کے گرد گھومتے ہیں کہ ہر مسلمان اس بات کا دھیان رکھے کہ اس کے کسی طور طریقے اور کسی عمل سے دوسرے کو کسی قسم کی جسمانی یا نفسیاتی تکلیف نہ پہنچے۔ کسی شخص کو دل آزار باتیں کہنا، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا، کسی کی چغلی کھانا، کسی کے خلاف بدگمانی میں مبتلا ہونا، کسی کے عیوب کی جستجو کرنا کسی کی اجازت کے بغیر اس کی خلوت میں مغل ہونا۔ یہ سب وہ گناہ ہیں جنہیں قرآن کریم نے صریح الفاظ میں ممنوع قرار دیا ہے۔
 اور ایک مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ اس قسم کی تمام گھٹیا باتوں سے مکمل پرہیز کرتا ہے۔

آخری شعبہ ”اخلاق“ کا ہے اور اس شعبے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے:

”مکمل ایمان ان ہی لوگوں کا جو خوش اخلاق ہوں گے۔“



خوش اخلاقی کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں تکبر کے بجائے تواضع اور انکسار،
بخل کے بجائے سخاوت، بزدلی کے بجائے بہادری، سخت مزاجی کے بجائے رحم دلی، جلد
بازی کے بجائے تحمل، زبان درازی کے بجائے خوش کلامی اور فحاشی کے بجائے عفت
وپاکیزگی پائی جائے۔ اس سے مل کر اس کی باتیں سن کر اس کے کردار کو دیکھ کر
دوسرے کو انقباض کے بجائے فرحت حاصل ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسانی شرافت کی جتنی اچھی صفات ہو سکتی ہیں ایک مومن
کو ان سب کا مجموعہ ہونا چاہیے۔ اور جس شخص میں ان صفات کی جتنی کمی ہے اتنا ہی اس
کا ایمان نامکمل ہے۔ اور جو شخص ان صفات سے محروم ہے وہ خواہ قانونی طور پر مسلمان
ہی کہلائے لیکن جس قسم کا مسلمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو
مطلوب ہے اس سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان صفات
سے آراستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے جو ایمان کا لازمی تقاضہ ہیں جن سے مزین ہو کر
قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے دنیا بھر پر اپنے عروج و اقبال کے پرچم لہرائے ہیں اور آج
بھی ہماری دنیا و آخرت سنوارنے کے لئے لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہیں۔

توجہ فرمائیں !!!

دفتر رسائل و جرائد کی طرف سے گزارش ہے کہ جن قارئین خریدار اور ایجنسی
ہولڈرز کی سالانہ فیس پوری ہو چکی ہے یا ان کے ذمہ سابقہ رقم واجب الادا ہے وہ جلد
از جلد اپنی رقم جمع کرائیں۔ تاکہ رسائل کو بلا تعطل اور بروقت روانہ کیا جاسکے۔ امید
ہے کہ آپ ضرور شفقت والا معاملہ فرمائیں گے۔

فون نمبر: 03326311808

وائس ایپ: 03062251253

سلام کا اسلامی طریقہ و آداب

کفیل احمد ندوی

اسلام میں سلام کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ آنے والا اگر سلام و اجازت کے بغیر آنا چاہے، یا سلام سے پہلے کسی طرح کی گفتگو کرے اور اپنی ضرورت رکھے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ ایسے آدمی کو آنے نہ دیا جائے اور نہ ہی اس کے کسی مطالبہ کو پورا کیا جائے

خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سلام میں پہل کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ صرف اس نیت سے بازار جاتے تھے تاکہ وہاں لوگوں کو سلام کر کے ثواب حاصل کر لیں۔

افسوس یہ ہے کہ آج مسلمانوں نے سلام کے تعلق سے ان تعلیمات کو کلیۃً فراموش کر دیا ہے، اسلامی معاشرے میں سلام کا رواج اب بہت کم ہو گیا ہے۔ سلام کو ترک کرنے کی نحوست یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر بغض و حسد، انتشار، دشمنی و عداوت جیسی بیماریاں عام ہو گئی ہیں اور اسلامی سلام کی جگہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے غیر اسلامی، مشرکانہ سلاموں کو اختیار کر لیا ہے۔

کاش کہ مسلمان سلام کی روح و حقیقت کو سمجھ کر اس کو اپنے درمیان عام کریں، اس کو پھیلائیں اور رواج دیں، اور اس کی ایسی کثرت ہو کہ اسلامی دنیا کی فضا اس کی لہروں سے معمور رہے، تو پوری قوم کی اصلاح ہو جائے، اس کے اوپر اللہ کی رحمتوں و نعمتوں کی بارش ہوگی، پھر اخلاف و انتشار کو ختم کرنے کے لئے کسی جلسہ و تحریک چلانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

اب اختصار کے ساتھ سلام کے تعلق سے کچھ اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے:

1: سلام میں پہل کرنا سنت ہے، اور سلام کا جواب دینا واجب ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق المسلمین کے تعلق سے جن باتوں کا حکم فرمایا ان میں سے ایک سلام کا جواب بھی ہے، ایک حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہ دینے والے کو اپنے طریقہ سے نکالا ہوا قرار دیا، ایک جگہ فرمایا: اگر سلام کرنے والے کو جواب نہ دیا جائے تو پھر فرشتے جواب دیتے ہیں، تو کوشش یہی ہو کہ سلام میں پہل وابتداء ہو، کسی کا انتظار نہ کیا جائے۔

شریعت نے جو یہ اصول مقرر کیا ہے کہ چھوٹا بڑے کو، قلیل جماعت کثیر کو، سوار پیدل کو، پیدل بیٹھے ہوئے کو سلام کرے تو اس کی حیثیت ایک قانونی حد بندی کی ہے، اور یہ حکم واجبی درجہ کا نہیں ہے بلکہ یہ صرف استحباب کا درجہ رکھتا ہے، سلام کے سلسلہ میں شریعت کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے جو بھی سلام میں پہل کرے وہی قیامت میں اللہ کے قریب ہوگا، اور ایسے انسان کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبر و غرور سے پاک قرار دیا ہے۔

2: سلام تلفظ کی صحیح ادائیگی کے ساتھ ہو، سلام کرتے ہوئے ’برکاتہ‘ تک پورا فقرہ ادا کیا جائے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ’السلام علیکم‘ کہنے والے کو دس نیکیوں کا، اور ’رحمۃ اللہ‘ کا اضافہ کرنے والے کو بیس کا، اور ’برکاتہ‘ تک اضافہ کرنے والے کو تیس نیکیوں کا مستحق قرار دیا ہے۔

3: سلام اپنے اندر محبت و مودت، توقیر و تعظیم کا پہلو لئے ہوئے ہے اور کسی بھی مومن کی دلی مودت کا مستحق مومن کامل ہی ہو سکتا ہے، اس لئے کفار و مشرکین و



منافقین کو سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ ان کے اور ایک مومن کے مقاصد زندگی میں بڑا ہی فرق ہے، اسی طرح جو مسلمان بدعت، فسق و فجور میں مبتلا ہو اس کو بھی اس وقت تک سلام میں پہل نہ کی جائے اور نا ہی جواب دیا جائے جب تک کہ پختہ توبہ نہ کر لے، حضرت کعب ابن مالک اور حضرت زینب بنت جحش رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رویہ اختیار کیا تھا۔

4: شریعت میں جتنی اہمیت ملاقات کے وقت سلام کی ہے اتنی ہی اہمیت و فضیلت واپسی کے سلام کی بھی ہے، ہم سے عموماً اس بارے میں کوتاہی ہوتی ہے، مجلس میں آتے و ملاقات کے وقت تو سلام کر لیا جاتا ہے اور واپس ہوتے وقت بغیر سلام کے واپسی کو غنیمت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ رخصت ہوتے وقت سلام نہ کرنے سے یہ بدگمانی ہو سکتی ہے کہ یہ ناراضگی کے ساتھ رخصت ہوا ہے، اور اب کبھی اس مجلس میں نہ آئے گا۔

وداعی سلام کے اہتمام میں اس بات کا اعلان پوشیدہ ہے کہ میں کسی ناراضگی کی وجہ سے نہیں بلکہ دلی خوشی کے ساتھ ضرورت کے تحت واپس ہو رہا ہوں، اور آئندہ بھی اس طرح کی مجلسوں اور آپ کی قیمتی صحبتوں کے حصول کا متنبی ہوں۔

نعمت نکاح، ضرورت طلاق اور عدت حکم الہی

مفتی نجیب احمد قاسمی

نکاح۔ نعمت: نکاح اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، جب یہ رشتہ قائم کیا جاتا ہے تو اس میں پائیداری و دوام مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نکاح کے مقصد کو اس طرح بیان فرماتا ہے: اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے درمیان) محبت و ہمدردی پیدا کر دی۔

(سورۃ الروم 21)

اللہ تعالیٰ نے بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر نکاح کو جائز قرار دیا، من جملہ ان مصالح و حکم کے ایک حکمت و مصلحت یہ بھی ہے کہ اس روئے زمین پر نواعِ انسانی، اصلاحِ ارض اور اقامتِ شرائع کے لئے اس کی نائب بن کر قیامت تک باقی رہے اور یہ مصلحتیں اسی وقت متحقق ہو سکتی ہیں جبکہ ان کی بنیاد مضبوط اور مستحکم ستونوں پر ہوں، اور وہ ہے نکاح۔ ویسے تو نسلِ انسانی کا وجود مرد و عورت کے ملاپ سے ممکن تھا، خواہ وہ ملاپ کسی بھی طرح کا ہوتا، لیکن اس ملاپ سے جو نسل وجود میں آتی وہ اصلاحِ ارض اور اقامتِ شرائع کے لئے موزوں اور مناسب نہ ہوتی، نیک نسل نکاح سے ہی وجود میں آ سکتی ہے۔

اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ نکاح کا معاملہ عمر بھر کے لئے کیا جائے اور اس کو توڑنے اور ختم کرنے کی نوبت ہی نہ آئے کیونکہ اس معاملہ کے ٹوٹنے کا اثر نہ صرف میاں بیوی پر ہی پڑتا ہے، بلکہ اولاد کی بربادی اور بعض اوقات خاندانوں میں



جھگڑے کا سبب بنتا ہے۔ جس سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ نے دونوں میاں بیوی کو وہ ہدایات دی ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے یہ رشتہ زیادہ سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتا۔

اگر میاں بیوی کے درمیان اختلاف رونما ہوں تو سب سے پہلے دونوں کو مل کر اختلاف دور کرنے چاہئیں۔ اگر بیوی کی طرف سے کوئی ایسی صورت پیش آئے جو شوہر کے مزاج کے خلاف ہو تو شوہر کو حکم دیا گیا کہ افہام و تفہیم اور زجر و تنبیہ سے کام لے۔ دوسری طرف شوہر سے بھی کہا گیا کہ بیوی کو محض نوکرائی اور خادمہ نہ سمجھے بلکہ اس کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی پاس داری شریعت میں ضروری ہے۔ ان حقوق میں جہاں نان و نفقہ اور رہائش کا انتظام شامل ہے وہیں اس کی دل داری اور راحت رسانی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں (یعنی بیوی بچوں) کی نظر میں اچھا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی نظر میں اچھا وہی ہو گا جو ان کے حقوق کی ادائیگی کرنے والا ہو۔

طلاق..... ضرورت: اگر میاں بیوی کے درمیان اختلاف دور نہ ہوں تو دونوں خاندان کے چند افراد کو حکم بنا کر معاملہ طے کرنا چاہئے۔ غرضیکہ ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے کہ ازدواجی رشتہ ٹوٹنے نہ پائے، لیکن بعض اوقات میاں بیوی میں صلح مشکل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے دونوں کامل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے، تو ایسی صورت میں ازدواجی تعلق کو ختم کرنا ہی طرفین کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اسی لئے شریعت اسلامیہ نے طلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ طلاق میاں بیوی کے درمیان نکاح کے معاہدہ کو توڑنے کا نام ہے۔ جس کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہ

ہے کہ دواہم شرائط کے ساتھ صرف ایک طلاق دے دی جائے:

(۱) عورت پاکی کی حالت میں ہو۔

(۲) شوہر عورت کی ایسی پاکی کی حالت میں طلاق دے رہا ہو کہ اس نے

بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔

صرف ایک طلاق دینے پر عدت کے دوران رجعت بھی کی جاسکتی ہے، یعنی میاں بیوی والے تعلقات کسی نکاح کے بغیر دوبارہ بحال کئے جاسکتے ہیں۔ عدت گزرنے کے بعد اگر میاں بیوی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو نکاح بھی ہو سکتا ہے۔ نیز عورت عدت کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح بھی کر سکتی ہے۔ غرضیکہ اس طرح طلاق واقع ہونے کے بعد بھی ازدواجی سلسلہ کو بحال کرنا ممکن ہے اور عورت عدت کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا مکمل اختیار بھی رکھتی ہے۔

طلاق کا اختیار مرد کو: مرد میں عادتاً و طبعاً عورت کی بہ نسبت فکر و تدبیر اور برداشت و تحمل کی قوت زیادہ ہوتی ہے، نیز انسانی خلقت، فطرت، قوت اور صلاحیت کے لحاظ سے اور عقل کے ذریعہ انسان غور و خوض کرے تو یہی نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوت مرد کو عطا کی ہے، بڑے بڑے کام کرنے کی جو صلاحیت مرد کو عطا فرمائی ہے، وہ عورت کو نہیں دی گئی۔ لہذا امارت اور سربراہی کا کام صحیح طور پر مرد ہی انجام دے سکتا ہے۔

اس مسئلہ کے لئے اپنی عقل سے فیصلہ کرنے کے بجائے اس ذات سے پوچھیں جس نے ان دونوں کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ خالق کائنات نے قرآن کریم میں واضح الفاظ کے ساتھ اس مسئلہ کا حل پیش کر دیا ہے: (وَلِلرِّجَالِ عَلَىٰ هُنَّ دَرَجَةٌ)

(سورۃ البقرہ ۲۲۸)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: (الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ)

(سورۃ النساء ۳۴)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں ذکر فرمادیا کہ مرد ہی زندگی کے سفر کا سربراہ رہے گا اور فیصلہ کرنے کا حق مرد ہی کو حاصل ہے، اگرچہ مرد کو چاہئے کہ عورت کو اپنے فیصلوں میں شامل کرے۔ اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے طلاق دینے کا اختیار مرد کو دیا ہے۔

خُلع: لیکن عورت کو مجبور محض نہیں بنایا کہ اگر شوہر بیوی کے حقوق کا حقہ ادا نہیں کر رہا ہے یا بیوی کسی وجہ سے اس کے ساتھ ازدواجی رشتہ کو جاری نہیں رکھنا چاہتی تو عورت کو شریعت اسلامیہ نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے۔ اگر عورت واقعی مظلومہ ہے تو شوہر کی شرعی ذمہ داری ہے کہ اس کے حقوق کی ادائیگی کرے ورنہ عورت کے مطالبہ پر اسے طلاق دیدے خواہ مال کے عوض یا کسی عوض کے بغیر۔ لیکن اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کر رہا ہے تو بیوی کو شرعی عدالت میں جانے کا حق حاصل ہے تاکہ مسئلہ کا حل نہ ہونے پر قاضی شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کرے۔ اس طرح عدالت کے ذریعہ طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت عدت گزار کر دوسری شادی کر سکتی ہے۔ خلع کی شکل میں طلاق بائن پڑتی ہے یعنی اگر دونوں میاں بیوی دوبارہ ایک ساتھ رہنا چاہیں تو رجعت نہیں ہو سکتی بلکہ دوبارہ نکاح ہی کرنا ہوگا، جس کے لئے طرفین کی اجازت ضروری ہے۔

طلاق کی قسمیں: عمومی طور پر طلاق کی تین قسمیں کی جاتی ہیں: طلاق رجعی، طلاق بائن اور طلاق مغلطہ۔

طلاق رجعی: واضح الفاظ کے ذریعہ بیوی کو ایک یا دو طلاق دے دی جائے۔



مثلاً شوہر نے بیوی سے کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی۔ یہ وہ طلاق ہے جس سے نکاح فوراً نہیں ٹوٹتا بلکہ عدت پوری ہونے تک باقی رہتا ہے۔ عدت کے دوران مرد جب چاہے طلاق سے رجوع کر کے عورت کو پھر سے بغیر کسی نکاح کے بیوی بنا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ شرعاً رجعت کے لئے بیوی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

طلاق بائن: ایسے الفاظ کے ذریعہ جو صراحۃً طلاق کے معنی پر دلالت کرنے والے نہ ہوں، جیسے کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے میکے چلی جا، میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ اس طرح کے الفاظ سے طلاق اسی وقت واقع ہوگی جبکہ شوہر نے ان الفاظ کے ذریعہ طلاق دینے کا ارادہ کیا ہو ورنہ نہیں۔ ان الفاظ کے ذریعہ طلاق بائن پڑتی ہے یعنی نکاح فوراً ختم ہو جاتا ہے، اب نکاح کر کے ہی دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے حلال ہو سکتے ہیں۔

طلاق مغلظہ: اکٹھے طور پر یا متفرق طور پر تین طلاق دینا طلاق مغلظہ (سخت) ہے، خواہ ایک ہی مجلس میں ہوں یا ایک ہی پاکی میں دی گئی ہوں۔ ایسی صورت میں نہ تو مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے اور نہ ہی دونوں میاں بیوی نکاح کر سکتے ہیں، الا یہ کہ عورت اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح کرے اور دونوں نے صحبت بھی کی ہو، پھر یا تو دوسرے شوہر کا انتقال ہو جائے یا دوسرا شوہر اپنی مرضی سے اسے طلاق دیدے تو پھر یہ عورت دوسرے شوہر کی طلاق یا موت کی عدت کے بعد پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔

اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں اس طرح بیان فرمایا ہے: پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق دیدے تو وہ (مطلقہ) عورت اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے۔ ہاں اگر (دوسرا شوہر بھی)



اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس (نیا نکاح کر کے) دوبارہ واپس آجائیں، بشرطیکہ کہ انہیں یہ غالب گمان ہو کہ وہ اب اللہ کی حدود قائم رکھیں گے۔ اسی کو حلالہ کہا جاتا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

حلالہ شرعیہ: اس کے صحیح ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں: دوسرا نکاح صحیح طریقہ سے منعقد ہوا ہو۔ دوسرے شوہر نے ہم بستری بھی کی ہو۔ دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے یا وفات پا جائے اور دوسری عدت بھی گزر گئی ہو۔ حلالہ کے لئے مشروط نکاح کرنا حرام ہے۔

ایک ساتھ تین طلاق: طلاق رجعی اور طلاق بائن کی شکلوں میں عمومی طور پر اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے بغض الحلال طلاق کے صحیح طریقہ کو چھوڑ کر غیر مشروع طور پر طلاق دیدی مثلاً تین طلاقیں عورت کی ناپاکی کے ایام میں دے دیں، یا ایک ہی طہر میں الگ الگ وقت میں تین طلاقیں دے دیں، یا الگ الگ تین طلاقیں ایسے تین پاپی کے ایام میں دیں جس میں کوئی صحبت کی ہو، یا ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیں، تو مذکورہ بالا تمام صورتوں میں تین ہی طلاق پڑنے پر پوری امت مسلمہ متفق ہے، سوائے ایک صورت کے، کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو کیا ایک واقع ہوگی یا تین۔

جمہور فقہاء و علماء کی رائے کے مطابق تین ہی طلاق واقع ہوں گی۔ فقہاء صحابہ کرام حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین تین ہی طلاق پڑنے کے قائل تھے۔ نیز چاروں امام (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کی متفق علیہ رائے بھی یہی ہے کہ ایک مجلس



میں تین طلاق دینے پر تین ہی واقع ہوں گی، ہند، پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان کے علماء کرام کی بھی یہی رائے ہے۔

۱۳۹۳ھ میں سعودی عرب کے بڑے بڑے علماء کرام کی اکثریت نے بحث و مباحثہ کے بعد قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو سامنے رکھ کر یہی فیصلہ کیا تھا کہ ایک وقت میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ ایک چھوٹی سی جماعت غیر مقلدین کی رائے ہے کہ ایک واقع ہوگی۔ ان حضرات نے جن دلائل کو بنیاد بنا کر ایک مجلس میں تین طلاق دینے پر ایک واقع ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے جمہور فقہاء و علماء و محدثین نے ان کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ۱۳۰۰ سال سے امت مسلمہ کی بہت بڑی تعداد اسی بات پر متفق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی، لہذا اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں تو اختیار رجعت ختم ہو جائے گا نیز میاں بیوی اگر باہمی رضامندی سے بھی دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو یہ نکاح درست اور حلال نہیں ہو گا یہاں تک کہ یہ عورت طلاق کی عدت گزارنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرے، دوسرے شوہر کے ساتھ رہے، دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوں یعنی صحبت کریں۔ پھر اگر اتفاق سے یہ دوسرا شوہر بھی طلاق دیدے یا وفات پا جائے تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہو سکتا ہے۔ یہی وہ جائز حلالہ ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

خليفة ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے پر متعدد مواقع پر باقاعدہ طور پر تین ہی طلاق کا فیصلہ صادر کیا جاتا رہا، کسی ایک صحابی کا کوئی اختلاف بھی کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔ لہذا قرآن

وحدیث کی روشنی میں جمہور فقہاء کرام خاص کر (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) اور ان کے تمام شاگردوں کی متفق علیہ رائے بھی یہی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے پر تین ہی واقع ہوں گی۔

مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے دلائل پر بحث نہیں کی ہے لیکن میرے دوسرے مضمون (تین طلاق کا مسئلہ) اور سعودی عرب کے علماء کے فیصلہ میں تمام دلائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

عدت..... حکم الہی: عدت کے لغوی معنی شمار کرنے کے ہیں، جبکہ شرعی اصطلاح میں عدت اس معین مدت کو کہتے ہیں جس میں شوہر کی موت یا طلاق یا خلع کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان علاحدگی ہونے پر عورت کے لئے بعض شرعی احکامات کی پابندی لازم ہو جاتی ہے۔ عورت کے فطری احوال کے اختلاف کی وجہ سے عدت کی مدت مختلف ہوتی ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں امت مسلمہ متفق ہے کہ شوہر کی موت یا طلاق یا خلع کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان جدائیگی ہونے پر عورت کے لئے عدت واجب (فرض) ہے۔ عدت دو وجہوں سے واجب ہوتی ہے:

عدت شوہر کی موت کی وجہ سے: اگر شوہر کے انتقال کے وقت بیوی حاملہ ہے تو Delivery ہونے تک عدت رہے گی، خواہ اس کا وقت چار ماہ اور دس روز سے کم ہو یا زیادہ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: حاملہ عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل تک ہے۔ (سورۃ الطلاق ۴)

اس آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر حاملہ عورت کی عدت یہی ہے خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ، جیسا کہ احادیث کی کتابوں (کتاب الطلاق) میں وضاحت موجود ہے۔ حمل نہ ہونے کی صورت میں شوہر کے انتقال کی وجہ سے عدت ۴ ماہ



اور ۱۰ دن کی ہوگی خواہ عورت کو ماہواری آتی ہو یا نہیں، خلوت صحیحہ (صحبت) ہوئی ہو یا نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن عدت میں رکھیں۔

(سورۃ البقرۃ ۲۳۴)

عدت طلاق یا خلع کی وجہ سے: اگر طلاق یا خلع کے وقت بیوی حاملہ ہے تو Delivery ہونے تک عدت رہے گی خواہ تین ماہ سے کم مدت میں ہی ولادت ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: حاملہ عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل تک ہے۔ (سورۃ الطلاق ۴)

اگر شوہر کے انتقال یا طلاق کے کچھ دنوں بعد حمل کا علم ہو تو عدت وضع حمل تک رہے گی خواہ یہ مدت ۹ ماہ کی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر طلاق یا خلع کے وقت عورت حاملہ نہیں ہے تو ماہواری آنے والی عورت کے لئے عدت ۳ حیض (ماہواری) رہے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(سورۃ البقرۃ ۲۲۸)

تیسری ماہواری ختم ہونے کے بعد عدت مکمل ہوگی۔ عورتوں کے احوال کی وجہ سے یہ عدت ۳ ماہ سے زیادہ یا تین ماہ سے کم بھی ہو سکتی ہے۔

جن عورتوں کو عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو یا جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو تو طلاق کی صورت میں ان کی عدت تین مہینے ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو چکی ہیں، اگر تم کو ان کی عدت کی تعیین میں شبہ ہو رہا ہے تو ان کی عدت تین ماہ



ہے اور اسی طرح جن عورتوں کو حیض آیا ہی نہیں ہے، ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

(سورۃ الطلاق ۴)

نکاح کے بعد لیکن خلوت صحیحہ (صحبت) سے قبل اگر کسی عورت کو طلاق دے دی جائے تو اس عورت کے لئے کوئی عدت نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے (یعنی صحبت کرنے) سے قبل ہی طلاق دے دو تو ان عورتوں پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں ہے جسے تم شمار کرو۔ (سورۃ الاحزاب ۴۹)

یعنی خلوت صحیحہ سے قبل طلاق کی صورت میں عورت کے لئے عدت نہیں ہے۔ لیکن خلوت صحیحہ (صحبت) سے قبل شوہر کے انتقال کی صورت میں عورت کے لئے عدت ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۳۴ کے عموم و دیگر احادیث صحیحہ کی روشنی میں امت مسلمہ اس پر متفق ہے۔ نکاح کے بعد لیکن خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دینے کی صورت میں آدھے مہر کی ادائیگی کرنی ہوگی۔ (سورۃ البقرۃ ۲۳۷)

عدت کی مصلحتیں: عدت کی متعدد دنیاوی و اخروی مصلحتیں ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں: (1) عدت سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا عبادت ہے اور عبادت سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ (2) عدت واجب ہونے کی اہم مصلحت اس بات کا یقین حاصل کرنا ہے تاکہ پہلے شوہر کا کوئی بھی اثر بچہ دانی میں نہ رہے اور بچے کے نسب میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ (3) نکاح چونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، اس لئے اس کے زوال پر عدت واجب قرار دی گئی۔ (4) نکاح کے بلند و بالا مقصد کی معرفت کے لئے عدت واجب قرار دی گئی تاکہ انسان اس کو بچوں کا کھیل نہ بنالے۔ (5) شوہر کے انتقال کی وجہ سے گھر / خاندان میں



جو ایک خلا پیدا ہوا ہے اس کی یاد کچھ مدت تک باقی رکھنے کی غرض سے عورت کے لئے عدت ضروری قرار دی گئی۔

متفرق مسائل: شوہر کی وفات یا طلاق دینے کے وقت سے عدت شروع ہو جاتی ہے خواہ عورت کو شوہر کے انتقال یا طلاق کی خبر بعد میں پہنچی ہو۔ مطلقہ یا بیوہ عورت کو عدت کے دوران بلا عذر شرعی گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ کسی وجہ سے شوہر کے گھر عدت گزارنا مشکل ہو تو عورت اپنے میکے یا کسی دوسرے گھر میں بھی عدت گزار سکتی ہے۔ (سورۃ الطلاق ۱) عورت کے لئے عدت کے دوران دوسری شادی کرنا جائز نہیں ہے، البتہ رشتہ کا پیغام عورت کو اشارہ دیا جاسکتا ہے۔ (البقرہ ۲۳۴/۲۳۵) جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کو عدت کے دوران خوشبو لگانا، سنگھار کرنا، سرمہ اور خوشبو کا تیل بلا ضرورت لگانا، مہندی لگانا اور زیادہ چمک دمک والے کپڑے پہننا درست نہیں ہے۔ اگر چاند کی پہلی تاریخ کو شوہر کا انتقال ہوا ہے تب تو یہ مہینہ خواہ ۳۰ کے ہوں یا ۲۹ کے ہوں، چاند کے حساب سے پورے کئے جائیں گے اور ۱۱ تاریخ کو عدت ختم ہو جائے گی۔ اگر پہلی تاریخ کے علاوہ کسی دوسری تاریخ میں شوہر کا انتقال ہوا ہے تو ۱۳۰ دن عدت رہے گی۔ علماء کی دوسری رائے یہ ہے کہ جس تاریخ میں انتقال ہوا ہے، اس تاریخ سے چار ماہ کے بعد ۱۰ دن بڑھادے جائیں مثلاً ۱۵ محرم الحرام کو انتقال ہوا ہے تو ۲۶ جمادی الاول کو عدت ختم ہو جائے گی۔ اگر عورت شوہر کے انتقال یا طلاق کی صورت میں عدت نہ کرے یا عدت تو شروع کی مگر مکمل نہ کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کو توڑنے والی کہلائے گی جو بڑا گناہ ہے، لہذا اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کر کے ایسی عورت کے لئے عدت کو مکمل کرنا ضروری ہے۔ عدت کے دوران عورت کے مکمل نان و نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہی ہوگا۔

کھ..... الشیخ محمد نواز الحذیفی حفظہ اللہ

قسط نمبر 7:

عربی خطبہ جمعہ مقامی زبان میں... علمی و تحقیقی تجزیہ

مذکورہ تمام روایات سے ثابت ہوا کہ جس طرح علم دین کا حاصل کرنا ضروری ہے کسی نہ کسی درجے میں عربی زبان کا آنا بھی شریعت کے ہاں مطلوب ہے کیونکہ ہماری شریعت عربی زبان میں ہے، جب شریعت کو حاصل کرنا ضروری ہے تو شریعت کی زبان کو حاصل کرنا بھی کچھ نہ کچھ ضروری ہوا۔

عربی زبان کی اہمیت تو اپنی جگہ عرب کی مصنوعات کی اہمیت بھی بسا اوقات نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنسبت عجم کی مصنوعات کے مسلمانوں کے دلوں میں راسخ فرماتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں عجمی (فارسی) کمان دیکھی تو اس سے فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس کو پھینک دو اور اپنی عربی کمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس جیسی کمان کو استعمال کیا کرو، پھر وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ تمہاری دینی اور دنیاوی دونوں ترقیوں کا ذریعہ ہے، روایت کے الفاظ کچھ اس طرح سے ہیں۔

عن علی قال کانت بید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوس عربیۃ فرأی رجل بیدہ قوس فارسیۃ فقال ما ہذا؟ القہا وعلیکم بہذا واشباہہا ورماح القنا فانہما یزید اللہ لکم بہما فی الدین ویمکن لکم فی البلاد.

(سنن ابن ماجہ ص 202 باب السلاح مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

جب غیر عربی ہتھیار دین و دنیا کی ترقی میں رکاوٹ ہیں، تو غیر عربی زبان اور

کلچر کس قدر نقصان دہ ہوں گے، جب کہ خود حدیث میں اس کو موجب نفاق قرار دیا گیا ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو عربی زبان پر اس قدر زور دیتے تھے، کہ اپنے قریب کسی کو عجمی زبان میں بات کرتا دیکھ لیتے تو ڈانٹتے اور اس کو عربی زبان میں بات کرنے کی تاکید فرماتے چنانچہ روایت ہے کہ بیت اللہ کے طواف کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو فارسی زبان میں بات کرتے ہوئے سنا تو ان کو حکم دیا کہ عربی زبان میں بات کرنے کا کوئی راستہ نکالو، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن جریر قال سمع عمر رضی اللہ عنہ رجلین یتکلمان بالفارسیۃ فی الطواف فقال ابتغیا الی العربیۃ سبیلا.

(اخبار مکہ لفافہ ج 1 ص 197)

جب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ عربی زبان کے سیکھنے پر زور دیا اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن علاقوں کو فتح کرتے گئے وہاں عربی لاگو کرتے گئے اور کبھی انہوں نے عجمی لوگوں کے سامنے عجمی زبان میں جمعہ کے خطبہ نہیں دیے اور نہ ان کے ترجمے کروائے تو آج اسلام کے اس شعار کو ہم کیسے بدل سکتے ہیں؟ اس لیے بجائے اس کے کہ خطبہ جمعہ کا ترجمہ کیا جائے، مسلمانوں کو عربی زبان سیکھنے کی طرف توجہ دلانی چاہیے، تاکہ ان کو اپنے مذہب کی زبان سے واقفیت ہو۔

(.....جاری ہے)

لوحِ ایام

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا میں معزز مہمانان گرامی کی آمد اور متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کے اندرون و بیرون ممالک کے مختلف مسکلی اسفار اہم مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات سے خصوصی ملاقاتیں

❖ 6 دسمبر 2015ء کو مرکز اہل السنۃ والجماعۃ میں چوتھا سالانہ علماء اجتماع منعقد ہوا۔ مولانا محمد الیاس گھمن نے عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ کے پلیٹ فارم سے دور حاضر میں مسکلی کام کی افادیت اور ملک میں کام کرنے کا طریقے پر تفصیلی بیان کیا اور مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و مسائل پر بھی عالمانہ گفتگو فرمائی۔

❖ 3 دسمبر بروز جمعرات ماہانہ تین روزہ تحقیق المسائل کو رس منعقد ہوا۔ جس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد شریک ہوئے۔

❖ 3 دسمبر بروز جمعرات کو مرکز اہل السنۃ والجماعۃ میں ماہانہ اصلاحی و خانقاہی اجتماع ہوا۔ جس میں متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن نے بیان فرمایا اور چاروں سلاسل میں کثیر افراد کو بیعت بھی فرمایا۔

❖ تعلیمات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر ملک بھر میں منعقدہ سیمینارز، پروگرامز اور پریس کانفرنسز سے مولانا محمد الیاس گھمن نے خطاب کیا۔

❖ احناف ٹرسٹ کے زیر اہتمام چترال، دیر اور سیلاب زدگان علاقوں میں سردیوں کے گرم کپڑے، راشن، خیمے، کمبل وغیرہ تقسیم کیے گئے۔

❖ شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ رحمہ اللہ اور مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ (بھکر) کی وفات پر ان کے ورثاء سے تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔

ماہنامہ فقہ ملنے کے پتے

| ایجنسی ہولڈرز | علاقہ | فون نمبرز |
|-----------------------|------------------|-------------|
| دارالایمان | کراچی | 03342028787 |
| ڈاکٹر تحسین اللہ | پشاور | 03339217613 |
| مولانا محمد نوید حنیف | آزاد کشمیر | 03132317090 |
| مولانا محمد شہباز | کبیر والا | 03066310082 |
| مولانا محمد صدیق | ڈیرہ غازی خان | 03356351893 |
| مولانا محمد قاسم | ملتان | 03007408019 |
| مولانا عمر خطاب | انک | 03077375075 |
| رحمت اللہ | کوہاٹ | 03449251287 |
| مولانا خالد زبیر | فیصل آباد | 03153759031 |
| مولانا خالد زبیر | چکوال | 03335912502 |
| محمد رئیس | ٹانک | 03319143483 |
| مولانا محمد دلاور | اداکڑہ | 03136969193 |
| مولانا عبد اللہ قمر | قصور | 03008091899 |
| مولانا عبد اللہ شہزاد | حافظ آباد | 03212374824 |
| عبد الوکیل عزیزی | سیالکوٹ | 03338639255 |
| ذوالقرنین حیدر | ڈیرہ اسماعیل خان | 03343682508 |

نوٹ: ایجنسی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں: 03326311808